

یا سہم تعالیٰ

صدرِ ملکت نے فرمایا کہ معاشروں کی کمزوریاں،  
فاروقیت اپنا چھے بغیر دُور نہیں ہو سکتیں۔  
اس سوال کا جواب کہ:

# فاروقیت کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# فَارُوقِیت کیا ہے؟

روزنامہ جگہ (اللہد) نے اپنی ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء کی اشاعت کے اداریہ میں، صدر مملکت، جزاں محمد ضیاء الحق کے پیغم آزادی کے قوم نئے خطاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم وہ سب کچھ نہیں کر پائے جس کی ہم تناکرت ہیں۔ ہم، الہ، وطن کو خوشحال اور مکمل احصان تحریف بھی نہیں دے سکتے جس کے ہم خواہاں ہتھے۔ ہم چادر اور چارڈیواری کا ذکر کیا، اور اسے کسی حد تک بھایا بھی لیکن ہم عوام کی توقعات پر پوچھے نہیں اتر سکے۔ صدر نے اس ضمن میں چوری، رُجُوكیت، راہزی، دردکار وہی کی وار واقوں، نیز جعل سازی اور تجارت میں ایمانداری کے فقدان کا ذکر کرتے ہوئے اصلاح معاشرہ کے لئے جہاد کا اعلان کیا۔ انہوں نے غربت، افلوس، تنگ نظری اور جہالت کے خلاف چہادر کرنے کا بھی خدید کیا اور کہا کہ وہ معاشرے میں ایسا معیار تالمذکرا چاہیتے ہیں کہ رشتہ اور سفارش کی لعنت کا خاتمہ ہو جائے کیونکہ اس لعنت نے معاشرہ کو غلیظ تر کر دیا ہے۔ انہوں نے قوم کو بھی دوڑ دی کہ وہ اس لعنت کے خلاف ایک سال کے طویل جگہ میں شرکیہ، سو اور رشتہ در سفارش کو ختم کر دے۔ ..... انہوں نے کہا کہ یہ برائیاں محض باقیوں سے حتم ہونے والی نہیں ہیں۔ ان کو ختم کرنے کے لئے دعا کے ساتھ دوا کی ضرورت ہے۔ اور یہ دو ابھی صدر نے تجویز کر دی، جب کہا کہ

معاشرے کی کمزوریاں فارُوقیت اپنائے بغیر دوڑ نہیں ہو سکتیں

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوں گے، یہ دیکھنے اور پانے کے لئے کہ معاشرہ میں اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں اور اگر ہو رہی ہے تو کس حد تک، صدر مملکت نے ایک ایسا مقیاس (پانچے کا فریبہ) تجویز کیا ہے جس سے ہم کس غلط قبھی میں سبتلا نہیں رہ سکتے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ یہاں اسلامی نظام ہائی ہو گا۔ اسلامی قوانین شریعت

نافذ ہوں گے۔ ہم اپنی سیرت کو اسلامی قالب میں ڈھالیں گے، تو نظری طور پر قویہ بالکل مخفیک ہوتا ہے، لیکن جب اسے عمل کے معنیا۔ پر پہکھا اور پا جائے تو اس میں ایک بنیادی کمی رہ جاتی ہے۔ ایک قویہ کو آج تک اسلام کا کوئی متفق علیٰ مفہوم متعین نہیں ہوا۔ پر فرقہ یکہ پر شخص کا اسلام کا مفہوم انگریز ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ مفہوم نظری ہوتا ہے۔ محسوس شکل میں سامنے نہیں آتا۔ اس لئے متفقین طور پر پہکھا اور پا نہیں جا سکتا کہ ہمارا نظام کس حد تک اسلامی ہو گیا ہے۔ اس میں خود فریبی یا مغالطہ آفرینی کا بڑا اسلام ہوتا ہے۔ اسلامی نظام کا آغاز، حضور نبی کرمؐ کے عہدہ ہاں یہاں میں ہوا اور وہ تمیل تک دوڑ فاروقی میں ہے۔ لہذا اُس دور کی معاشرتی، معاشری، سیاسی ذمہ داری اور خوبصورتی مدت کے ذان کردار میں اسلامی نظام کا صحیح نقش منعکس ہو جاتا ہے۔ بنا بریں صدر عدالت نے جو کہ ہے کہ ان خوابیوں کا ازالہ فاروقیت کو اپنے کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس سے ایک مظہر معيار سامنے آ جاتا ہے جس سے ہم اپنے معاشرہ اور خود اپنی خاتم کا جائز ہے سکتے ہیں۔

دور فاروقی کے مختلف متفقہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، لیکن ان میں (ہمارے نزدیک) پیدا رہنے والے کی تصنیف "شاہ کار رسالت" کو خاص انتیازی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ: (ایعنی اسلامی نظام یا اسلامی مملکت) کے نقطہ نگاہ سے مرتب کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے تاریخ کے صرف ان واقعات کو قابل تحلیل سمجھا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں اور جن سے صفاہ کیا جائیں گے۔ کوئی سیرت کروار داغدار نہیں ہوتے۔ جہاں تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ آیا ہے، انہوں نے اس کی نشاندہی کر دی ہے۔ اس اعتبار سے ان کی یہ کتاب قابل اعتماد ہے۔ "فاروقیت" کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے تو اس پوری کتاب کا مطالعہ ضروری ہے، لیکن اس خیال سے کہ جلد تاریخ کے لئے شاید یہ ممکن نہ ہو، ہم اس سے جستہ جستہ اعتیابات پیش کریں گے جو سے فاروقیت کے نایاب خط و خال سامنے آ جائیں گے۔ حوالہ شاہ کار رسالت کے صفات کے ہیں۔

— — — (۰) — — —

## خطبات خلافت

امیر مملکت (خلافت) کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے دو خطبات ارشاد فرمائے۔ ایک غیر متحدا اور دوسرے مفصل۔ یہ خطبات گویا (آج محل کی اصطلاح میں) مملکت کے مشورتی۔ مختصر خطبہ میں آپ نے فرمایا:

"گروہ میں تمہیں میں ہے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسول اللہ کی حکم عدالتی گوارا ہو سکتی تو میں سہیز یہ ذمہ داری قبول نہ کر رائے"

طشاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی فراہم تھا کہ اگر میں دیکھتا کہ کوئی اور صاحب اس بارہ کو مجھ سے بہتر طور پر اٹھا سکتے کہ قابل ہیں تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ (رازات الحفاظ)

آپ نے یہ الفاظ اپسے خلوص اور انکسار کے ساتھ کہے کہ سامعین کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت ابویحیہ ماصریت نے جو کہا تھا کہ خلافت کی فرمانداریاں (حضرت) عمر بن کثیر کی سختی کو زور سے بدل دیں گی وہ درست تھا۔

اس کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ لوگوں میں خدا سے ہیں دعا یہیں مانگتا ہوں۔ تم آئیں کہو۔ انہوں نے آسمان کی طرف نکلا اٹھائی اور ہمایت بجز و الحاج سے کہا۔

باز الہی! میں سخت ہوں۔ مجھے حق کی موافقت۔ اپنی رضناطبی اور احساس آخرت کے لئے زم کر دے۔ یہ کہ کہا پڑھلے ہو گئے۔ سامعین نے آئیں کہا تو آپ نے دوسری دعا مانگی کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں مجھے قوی بناوے تاکہ میں دین کے شہروں امنافقوں اور حشش کاروں کا مقابلہ کر سکوں۔ لیکن ایسا قوی نہیں کہ میں ان کے حق میں ظالم بن جاؤں اور ان پر وصت و رازی کرنے لگ جاؤں۔

آپ بھر خاموش ہو گئے۔ مجھ پرستاً چھار ہاتھا۔ لوگوں نے آئیں کہا۔ تو آپ نے بدگاہ و رب العزت عرض کیا کہ یا اللہ! میں بخیل ہوں۔ مجھے امور تحریر کے لئے سمجھی بناوے۔ لیکن اس سعادت میں رہ یا کاری کا شایبہ نہ ہو۔

مجھ پر سکوت چھار ہاتھا۔ محوڑے سے توفیق کے بعد آپ نے فرمایا۔

ایسہا المتساں! اللہ نے میرے ترقیات کے بعد مجھے تم میں باقی رکھا ہے تاکہ وہ میرے ذریعہ تمہاری اور تمہارے ذریعے میری آنماںش کرے۔ تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا میں اسے کسی دوسرے پر نہیں چھوڑوں گا بلکہ خود رسانجام دوں گا۔ العۃ جو معاملہ ایسا ہو گا اس میں مجھے دوسروں کی موافقت کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے میں حتی الامکان ایسے لوگوں کو منع کروں گا جن کی صفت اور امانت میں مشتبہ ہو۔ اگر وہ لوگ صحیح راستے پر چلیں گے تو میں ان کے سامنے نیک سلوک کروں گا۔ اگر غلط رفتہ اختیار کریں گے تو انہیں عورتیاں سزا دوں گا۔

اس کے بعد آپ نے سامعین سے کہا کہ

قرآن پڑھا کرو۔ اسی سے تمہاری قدر و ممتازت ہوگی۔ اور اسی پر عمل کرو تاکہ تم حامل قرآن ہو جاؤ۔ اپنے نفوں کا وزن کروں کروں سے پیش کر تھا اور اذن کیا جائے۔ قیامت کے دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ جب تم خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پر شیدہ نہیں رہے گی۔

اس کے بعد پھر اپنے لئے ایک اور دعا مانگی جس میں کہا کہ

باز الہی! مجھے تفکر و تیر قرآنی خطاط فرمانا کہ میں جو کچھ قرآن سے پڑھوں اُسے اچھی طرح سمجھ سکوں اور

اُس امید ہو جو ان زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ ہاں ایسی ایسا ہو گا۔ اس میں یقین کا تھیوں غالب ہوتا ہے۔ اسی سے لفظ ایمان ہے جس کے بنیادی معنی اس یقین کے ہیں جس سے قلب کو امن (الہیمان) شامل ہو۔

اس کے لاد رات پر غور کر سکوں۔

یا اللہ! تو مجھے توفیق عطا فراہم کیں جیسے تک رسنہ رہوں تیر کتاب پر عمل پیرا رہوں۔ انکے  
لئے گلی شیعیٰ فتنہ۔ (شامہ کار سالت۔ صفحہ ۵۵ - ۵۶)

مفضل خطيہ میں آپ نے پہلے یہ بتایا کہ وہ رسول اللہ اور حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں سخت گیر کیوں  
تھے۔ اس کے بعد فرمایا۔

”اور اب کہ، اے لوگو! تمہارے معاملات کی خدمہ داری میرے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے جنہیں معلوم  
ہونا چاہئے کہ میری دہ سختی نہیں بدل گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو علماء اور زیادتی  
سے کام لیں۔ رہے وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں، تو ان کے لئے یہی سب  
ہے زیادہ زم رہوں۔ الگ کوئی شخص کسی کے ساتھ خلیم اور زیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک  
نہیں چھوڑ دیں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دو مرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ کر دوں،  
تاکہ کوہ حق کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔ لیکن اس نام سختی کے باوجودہ، میں اہل حق کے لئے تھوڑا پہنچ  
رخسار زمیں پر رکھ دوں گا۔

لوگی مدد پر تمہارے پھر حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ تم اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل  
کرو تم پر میرا صرف یہ حق ہے کہ تمہارے خارج اور داخل علیمت میں سے جواہر اللہ تھیں عطا کرے۔ (یعنی  
ملکت کی آمدیں میں سے) اپنے کفاف کے لئے لوں، لیکن اسے ناخواہیں۔

تمہارا بھدہ ہر یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔  
تمہارا بھدہ ہر یہ حق ہے کہ تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ کر دوں اور تمہاری محدود  
کو مستحکم کر دوں۔

اور یہ حق بھی کہ تمہیں ملکت میں شہزادوں تھیں بلا ضرورت گھروں اس کرنے سے نہ روکے رکھوں۔  
اگر جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باب کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہ پرداخت کروں۔

اللہ کے بندوں! اللہ سے فردہ ایرا اقتضیاً۔ امر بالمعروف اور نهى عن المنکر میں میری مد و کرو تمہاری  
جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے مقابل مجھے نصیحت کرتے رہوں۔ میں تم سے یہ کہہ کرہے رہا ہوں اور اپنے  
احمد تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں۔ میں یوم الحساب کا منہ تقریباً ہوں۔ جب مجھے یہ بتانا بوجاگر  
میں نے تم سے کیا لیا اور اسے کیسے خرچ کیا۔

یہ کہہ کر آپ منہ سے اُزیزے اور ناز پڑھائی۔“ (حوالہ۔ ص ۲۷)

واضح درہ سے کہ آج تک کی اصطلاح میں خلافت سے مراد اسلامی نظام یا اسلامی مملکت لی جائے گی۔ درہ  
مکریت میں باز شامیت اور آمریت سب شامل ہوں گی۔

## خلافت اور ملوکیت (بای آمرتیت) میں فرق

ایک دن حضرت عمر خان نے حضرت سلطان عادی سی سے پوچھیا کہ یہ خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ انہوں نے کہا کہ اگر اپنے مسلمانوں سے ایک دریم (بای اس سے کم بھی) وصول کیا تو اسے صحیح مقام پر صرف نہ کیا تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں۔ (ص ۲۶)

اس پر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں ایک صاحب نے کہا:-

خلافت اور شہنشاشیت میں فرق ہے۔ خلیفہ خواہ کے جملہ حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ وہ انسان کا حق، حقدار کو دیتا ہے۔ وہ نما جائز طور پر کسی سے کچھ دیتے ہے۔ نما جائز خرچ کرتا ہے۔ الجھہ لشکر کے آپ خلیفہ ہیں، بادشاہ نہیں۔ بادشاہ زبردستی کرتا ہے۔ ایک سے چھین کر دوسرے کو دیتا ہے۔ (ص ۲۶)

جیسا کہ آگے حل کر سامنے آئے گا، آپ کے تزدیک "بیان" وہ ممتاز احجازت قرآن مجید دیتا ہو۔ جس کی وہ ایجازت نہیں دیتا ہو ناجائز ہے۔ آپ کے وہرے، عام مسلمانوں کے ذمیں ہیں بھی خلیفہ اور بادشاہ کا فرق اس قدر واضح تھا کہ جب روم کے سفیر نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ تو اسے جواب مل کر، "مالنا مالک۔ بل لتنا امیر۔" ہمارا کوئی بادشاہ نہیں، ہمارا صرف امیر ہے۔ اور قرآنیں کو معلوم ہو گا کہ امیر کے معنی ہیں صحیح راستے کی طرف را ہ نماں کرنے والا۔

اس کے بعد وہ اس سربراہ حملہت (حضرت عمر خان) کی تلاش میں نکلا، تو دیکھا کہ آپ اپنے چیخ کو سر کے چیخ رکھئے۔ بالوریت پر دھوپ میں سو رہے ہیں اور آپ کا پیسینہ پیشانی سے ٹپک کر زمین کو ترکر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ در طبع پیرت میں گم ہو گیا اور بے ساختہ کہنے لگا کہ

عمر خان! تو گوں سندھ مل کرتا ہے اس لئے اس طرح بے خوف سوتا ہے۔ ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے اس لئے وہ پیدا رہا اور خوف زدہ رہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا دین برحق ہے۔ اگر میں ماصدکی حیثیت سے نہ آیا ہوتا تو اسی وقت اسلام قبول کر دیتا۔ اب میں جا کر واپس آؤں گا اور اسلام قبول کروں گا۔ (ص ۲۶)

آپ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ اپنے تجزیہ کیا پر بتائیے کہ خلافت کسے کہتے ہیں۔ آپ نے میا یا کہ میں قوتا ہی جانا ہوں کہ

خدا کے سامنے حساب دیتے وقت یہ بتایا جائے کہ کہاں سے لیا تھا اور کسے دیا تھا۔ اگر اس کا جواب اطمینان بخش ہو تو یہ خلافت ہے وہ ملوکیت۔

خلیفہ کا کس سے اشکنے کچھ لیتے کا تو سوال ہی نہیں تھا، حملہت کے واجبات وصول کرنے میں بھی یہ اصول کا فرمائھا کہ حکومت کسی شخص سے کچھ لیتے کا حق اس وقت رکھتی ہے جب اس نے اس کے لئے کچھ مفید کام کیا ہو۔

ایک آزاد شدہ غلام (سعید) کا بیان ہے کہ میں حکومت کے واجبات جمع کرانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا انہوں نے پوچھا کہ کیا قسم نے حکومت کے بہت المال سے کچھ فائدہ بھی اٹھایا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ الجھن تک تو میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر اپنی رقم والپس لے جا۔ جب تھیں ہماری طرف سے کچھ مل جائے تو پھر آتا۔ (ص ۲۶۸) اس پھرستے واقعہ سے جو عقیم اصول مستنبت ہوتا ہے وہ اسلامی اور نیز اسلامی میں فتن کے عدد دکی ایک بین نشانہ ہی کرتا ہے۔

(۷)

## خلیفہ کا وظیفہ اور فدائی اخراجات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور سربراہ حملہ کت بوجو وظیفہ اپنے لئے مقرر کیا وہ حسب ذیل ہے:-

کپڑوں کے دو جو طے، ایک کرجی کا ایک سروی کا، جو اور عمرہ کے لئے ایک ایک احرام۔  
میرے اور میرے اہل و عشیل کے لئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدم کی خوبی اک ہے۔  
اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ جو حال ان کا سو  
حال میرا۔ (ص ۳۴۳)

اس کھانے کا معیار یہ تھا کہ ایک وقت میں صرف ایک سالن ہونا چاہیئے۔ اور وہ بھی اس پابندی کے سامنہ کر ایک دفعہ کھانے میں گوشت اور دوسرہ گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دو سالن ہیں۔ ان میں سے ایک وقت میں صرف ایک ہی کھایا جائے گا۔ اور وہ بھی وہ جس کے مختلف اطمینان مہول وہ ہام مسلمانوں کو میسر ہو سکتا ہے۔ (ص ۳۴۳)

ایک دفعہ کو فہر کا عامل آپ سے ملنے آیا تو آپ اسے اپنے سانچہ گھربے آئے اور اس کے سامنے انہ سے آپ کا لھانا آگیا۔ کھانے میں جو کی روٹی۔ زیتون کا سائل اور موٹا پساہنا گاکھ تھا۔ اس میجان نے کہا کہ آپ جو کی روٹی کیوں کھاتے ہیں۔ گیہوں کی کبیدن نہیں کھاتے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس وقت فہر کا لیقین ہے کہ حکومت میں ہر فروکو جو کی روٹی مل رہی ہے۔ وہ گیہوں کی روٹی اس دن کھائے گا جس دن اس کا اطمینان ہو جائے کہ میر شخص کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔ (ص ۳۴۴)

ایک دفعہ ایک دوست کے ہاں دعوت، خوشی جس میں جو کھانا سامنے آیا وہ قدر سے ہٹر نکافت تھا۔ اپنے میزان سے کہا کہ بیہ توہارے لئے ہوا۔ ان محتاجوں کے لئے کیا ہے جو غصو کے مرد ہے ہیں اور جنہیں ان جوں تک میسیس نہیں۔

حضرت خالد بن ولید پاس کھڑے مقتنے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے لئے جنت ہے۔ یہ سب کر آپ آپ بیدر ہو گئے اور کہا کہ

خالد! اگر ہماری قسمت میں یہ ہے اور ان کے مقدار میں جنت، تو پھر سوچ کر یہ مندرج کتنا بڑا ہوا؟ (ص ۲۴۳)

خط کے زمانے میں آپ نے الزام یہ دکھا کہ ایک مشترک دستر خوان پر (جو کچھ میسر آئے) سب مل کر کھائیں۔ انہی میں آپ خود بھی شرک کرتے۔ آپ اس قسم کی غذا کے عادی نہیں تھے اس لئے آپ کی صحت خراب ہو گئی اور ننگت سیاہ ٹرالیٰ دفعاوے کا کہا کہ آپ یہ غذانے کھائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ غذا اس لئے کھانا ہوں کہ

اگر مجھ پر وہ کچھ رنگ سے جو خواہ پر گزرتی ہے تو مجھے ان کی تکلیفیوں اور پریشانیوں کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب مجھے ان کا احساس نہیں ہو گا تو میں انہیں رفع کرنے کی منکر کیسے کر سکوں گا؟ (ص ۲۴۴)

دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا کہ اگر میں پہیٹ لہر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرا نے انسان مجھو کے ہوں تو اس کے ایک ہی مصی ہیں کہ میں لوگوں کا اچھا والی نہیں ہوں۔ (ص ۲۴۵)

## حالتِ سفر میں

یہ تور ہا کھانے کا مذاہلہ۔ ایک سفر کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔ دین کے نظام میں تجھ میں شرکت، امیر المؤمنی اور عمال حکومت کی سرکاری طبیعتی تھی۔ اس زمانے میں تجھ، الفرادی عبادت کا نام نہیں تھا، یہ اسلامی مملکت کے زیر اعتماد اُست کا اجتماع مھما جس میں مملکت سے متعلق اہم امور پر مشورے بھی ہوتے تھے اور لوگوں کی شکایات کا ازالہ بھی کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے اخراجات حکومت کو برداشت کرنے ہوتے تھے۔ پھر کتن شان و شکرہ اور انصرام و انتظام سے ہوتا تھا اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بن کاس رعایت سے مل سکتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

میں ایک دفعہ حج کے سفر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا۔ آپ کے لئے ذکر میں خیر لکھا گیا، سنہ سال بیان۔ نہ کوئی عمارت الیسی بھتی جس میں آپ آرام کر سکتے۔ جہاں آرام کرنا ہوتا، ایک چادر کسی درخت پر ٹوال دیتے اور اس کے ساتھ میں ہم سب آرام کر لیتے۔ (ص ۲۴۶)

اس سادگی اور بے سرو سالانی کے باوجود آپ اس کے اخراجات پر کوئی نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت میثا بن نیر کی رعایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس مرتبہ حج پر کل کیا خرچ آیا۔ میں نے کہا پندرہ دینار۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے بیت المال کا بہت سارو پر آندا یا۔ (ص ۲۴۷)

مکان آپ کا وہی مقام میں آپ زندگو خلافت سے پہنچ رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت میثا بن الحاصن نے انہیں اطلاع دی کہ انہوں نے صدرِ مملکت کے لئے مصاری میں ایک مکان بنوایا ہے۔ اس پر آپ نے انہیں لکھا کہ "مجھاں بذری سوچر، حجاز میں رہنے والے کامنڈر میں مکان کیسے ہو سکتا ہے؟... اس مکان کو

رضا و عادم کے لئے کھلا رہتے ہیں دو۔ (۳۴۵)

## سفر بیت المقدس

فتح بیت المقدس کے وقت آپ جاہیہ میں تشریف فراہم ہے۔ بیت المقدس کے اسقف نے صلح کے لئے یہ شرط لگا دی کہ مسلمانوں کے سربراہ مملکت خود اگر معاہدہ صلح پر مستخط کریں۔ جاہیہ سے بیت المقدس تک آپ کے "شامہ" سفر کی تفصیلی روایت اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔ اس کا شخص یہ ہے "بائیں لاکھ مردم میں پرچمیں ہوں محدث کا یہ سربراہ فتح ایران و روم کی حیثیت سے عازم سفر ہوا تو باس نقطہ کا ایک اونٹنی پر سوار ہتھی۔ جس پر ایک اونٹ مکبل ٹڑا ہتھا۔ یہ مکبل بحالت قیام بستر کا کام بھی دیتا تھا۔ سرپرندی کی تھی تے عاصم۔ دونوں پاؤں بے رکاب بجاوے میں ایک درمرے سے درگراہ ہمارے ہتھے۔ خرجی کھال کی تھی۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اسے حزورت کے وقت تکہی بنالیا جانا تھا۔ اور اُنہوں نے تھی کہ ایک اونٹ سے اس تو نکھے اور دوسرے میں کھجوریں۔ سامنے یاں کا مشکنیوں تھے۔ رفقاء کی جماعت ساتھ تھی۔ آپ پرورد صحیح اپنے رفقاوے کے ساتھ مبتھتے۔ اپنا زوراہ دستخوان پر رکھ دیتے ہیے سب مل کر کھائیتے۔ راستے میں چلتے بھی ہاتھ اور اپنے ہم سفروں کو دیتیں کی تعلیم بھی دیتے ہاتھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک ایک اونٹ دو دو سواروں کے حصتے میں آیا تھا۔ اور آپ کا زیل آپ کا غلام (مالزرم) تھا۔ اسے پایا تھا کہ ایک منزل آپ سوار سوتے اور وہ غلام ہمار پڑھتا اور دوسری منزل وہ (غلام) سوار ہوتا اور آپ ہمار پڑھتے۔ ایک جگہ راستے میں پانی آگیا تو آپ اونٹنی سے اترے۔ موز سے اماں کر رہا تھا میں پڑھتے اور اونٹنی کو سا نظر لے کر پانی میں اتر گئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے دیکھا تو کہا کہ آج آپ نے وہ کام کیا ہے جس کی اہل زمین کے نزدیک ٹری عظمت ہے۔ آپ نے یہ کیا اور وہ کیا ہے۔ آپ نے سنا تو فرمایا۔

**ہماری عزت اسلام کا صدقہ ہے** [نیادہ عزیز، سب سے زیادہ حقر اور سب سے زیادہ قدیل تھے۔ اللہ نے یہیں اسلام سے عزت دی۔ یہی پارے لئے وہ اشرف ہونا چاہیے۔ الکرم نے اللہ کے سوا کسی اور سے عزت طلب کی تو اللہ یہیں قبول کر دے گا۔]

بیت المقدس سے کچھ فاصلہ پر تھے کہ سواروں کا دہ دستہ آپ نے چھسے حضرت ابو عبیدہ نے آپ کے استقبال کے لئے بھیجا تھا۔ اس وقت کی حیثیت یہ تھی کہ آپ نہ سے کاکر تھے پسے ہوئے تھے جس میں جو رہہ پہنچ گئے ہوئے تھے، اور ان میں بعض پیونڈ چھڑے کے تھے۔ ہمراہیوں نے عرض کیا کہ آپ ایک نئے مکاں میں، امنی قوم کے باشناجی کی حیثیت سے جا رہے ہیں۔ پہنچو کہ آپ اونٹنی کے بجائے اس قرکی گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور وہ لباس پہن جیسے حضرت ابو عبیدہ نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ آپ نے انکی مشورہ قبول فرمایا اور وہ لباس پہن کرتے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ہمارے ہمراہ قدر چلے ہوں گے تو گھوڑے سے اتر گئے اور اپنے رفقاء سے کہا کہ "عزیزان من اتم میری اس لغوش پر درگذر کرو۔ اللہ قیامت میں تمہاری لغوش سے درگرد

کر سے کام جس سخوت اور تکبر نے اس وقت میرے دل میں رہا پائی وہ یقیناً تمہارے امیر کو بلک کر دیتے۔ اس کے بعد وہ پوشش آزاد کر پھر وہی پیوند لگے کپڑے پہن لئے۔

اُنگے گئے تو حضرت ابو عبیدہ رثا، حضرت خالد بن ولید رضا اور حضرت یزید بن شعبان آپ کے استقبال کے لئے آئے۔ انہوں نے ریشمی کپڑے پہن رکھے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو سخت کافروختہ ہوئے اور کہا کہ، تم لوگ اتنی جلدی بدل گئے۔ تم نے وہی برس میں اس قسم کی تن آسانی اختیار کر لی۔ اگر تمہارا بھی طرزِ عمل رہا تو خدا کی قسم، خدا تمہاری جگہ دوسرا قوم نے آئے گا اور تمہاری حکومت اسے دے دے گا کہ حریر والطاس پہننے وال قویں حکومت کی نہیں رہتیں۔ انہوں نے معذرت چاہیں اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! ہم نے یہ کرتے، اس قوم کی خاطر اور یہ سے پہن رکھے ہیں۔ دیکھو! یہ بے ان کے نیچے وہی ہمچیار موجود ہیں۔ اس پر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

یہ بھئے! یہ "شامانہ جلس" داخلِ بیت المقدس ہو گیا۔ اُس قوم کا سردار، جلوس کے استقبال کے لئے آیا تو آپ نے اس سے فرمایا:-

میرا کُرتہ سفر کی وجہ سے چھٹ گیا ہے۔ اسے دھوکھی دیجئے اور سی بھی لذتیں۔ اور اتنی تہت کے لئے مجھے کوئی اخراج کُرتے دیجئے۔ اس نے وہ کُرتہ بھی دھوا اور سی دیا اور ایک اور کُرتہ بھی تیار کر لیا اور کہا کہ اسے میری طرف سے قبول فرمائیجئے۔ آپ نے اپنا کُرتہ پہن لیا اور اس کا کُرتہ واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا کُرتہ اس سے زیادہ پسخیہ خذب کرتا ہے۔

اس سردار پادری نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ ذرا اچھے کپڑے پہن لیجئے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ اس سے رو سیوں کی نگاہ میں اکی کی عظمت بڑھے گی۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ خدا نے ہمیں جو عزت، نی ہے وہ اسلام سے ہے۔

**ساری عزت اسلام سے ہے**

ان اضافی چیزوں سے نہیں۔ اس نے ہمیں اس کا ضرورت نہیں۔

لکھ ہے۔ جب یہ کہ مسلمانوں نے اسلام کو اپنے لئے وجود عزت و شرف سمجھا وہ آسمانِ عظمت و قادر کے درختندہ ستارہ، بن کر چلے۔ جب انہوں نے اسے چھوڑ دیا تو ان بلندیوں سے لٹٹے ہوئے تاروں کی طرح گرے اور فضائے زماد کی گردش میں پس کر رکھ ہو گئے۔

خدا ایں سخت جاں را یار بادا  
کہ افتاد است از یام بلند سے ॥ حوالہ فتنا۔ ص ۱۹۵)

### اقر را پر پاندیاں

آپ نے ان امور میں جس قدر پاندیاں اپنے آپ پر عالم کر رکھی تھیں، ان سے کہیں زیادہ قدیمی اپنے اہل دعیاں پر بھی تکار کر رکھی تھیں۔ چنانچہ آپ کا سمول تھا کہ

جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے مکروں کو جمیع کر کے، ان سے کہتے کہ میں نے لوگوں کو نہ لال خلاں چیزیں منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندوں گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بھوگے تو وہ بھی بچیں گے اور اگر تم چھانسو گے تو وہ بھی بچنیں گے۔ اگر تم میں سے کسی شخص نے ان بالوں کا انتکاب کیا تو خدا کی قسم؛ میں اپنے ساتھ تھا رہے تھا تو اپنے ساتھ رہے۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہئے ہو تو سے تھا تو زکر ہے۔

اور یہ "دُخْنی سزا" کا فیصلہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق ہوا جس میں بھی اکرم (ص) کی اولاد راجح مطہر اشٹے کہا گیا تھا کہ یاد رکھو! تم عام ہو تو ان کی طرح نہیں ہو۔ تم میں سے جو کسی جرم کی مرتکب ہوگی اسے دُخْنی سزا ملے گی۔ (رَبَّهُمْ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ارشادِ راجح سے اس نکتہ کی وضاحت کر دی کہ قرآن کا وہ حکمِ حملکتِ اسلامیہ کے ہر سر پر اپنے بکیساں عائد ہوتا ہے۔ (حوالہ۔ ص ۲۹۶)

اس باب میں آپ کی احتیاطات کا عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ الشعراًی (گورنر) نے آپ کی بیوی (حضرت) عائشہ کو ایک سیاہ دبڑو تخفہ دیا جو گز بھر لما اور چند بار اشت پڑا۔ آپ کو معلوم ہوا تو حضرت ابو موسیٰ کو بلا کر سخت ڈالا۔ بیوی اسے سر پرست مارا۔ اور کہا کہ خبر دار ہو آئندہ ایسی حرکت کی۔

ایک دفعہ شاہِ روم کا قاصد آیا تو مکہ کی طرف سے فرار کرنے والے ملکتِ اسلامیہ کی یہ کمی کے لئے پڑی سلام لایا۔ آپ کی بیوی نے ایسے دینا اقرض لیا، محظیریدا، اور اُسے شیشیوں میں بند کر کے ملکہِ روم کو بھیج دیا۔ اس نے تخفہ موصول ہونے پر اہنی شیشیوں کو جو اہمیت ملکہِ روم کا ہدایہ پھر کر دیں بھیج دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے سارے جواہرات فروخت کر کے، ایک دینیار بیوی کو دے دیا اور باقی رقم بیت المال میں داخل کر دی۔ اور بیوی کو آئندہ مختار ہئے کی تلقین کی۔

بیت المال نے خوشبو آتی تو آپ اپنی بیوی کو دے دیا کرتے کہ وہ اسے فروخت کر کے رقم بیت المال میں جمع کر دے۔ ایک دفعہ بیوی نے خوشبو نہیں تو جو انگلیوں سے لگی رہ گئی اسے اپنے دو پیٹے پر مل لیا۔ خوشبو نے بھر جال غازی کر دینی تھی۔ اس نے کر دی۔ تو آپ نے بیوی سے کہا خوشبو لگی رہ گئی کہ تمہیں خوشبو تھیں کے لئے دی گئی تھی، نہ اس لئے کہ تو سلانوں طوال۔ اس پر بھی خوشبو نہ گئی تو اسے مٹی سے ملا۔ پھر سونگھا۔ اور جب تک خوشبو اتر نہیں گئی، ایسا ہی کرتے رہے۔

ایک دفعہ بھریں سے کچھ مشک آل تو آپ نے کہا کہ کوئی عورت صحیح وزن رکھنے مشک کا وزن والی مل جائیے تو اس سے وزن کرالیا جائے۔ آپ کی بیوی (عائشہ) نے کہا کہ

میں خوب تو ناجانتی ہوں۔ لا یجئے۔ میں وزن کئے دیتی ہوں۔

آپ نے کہا کہ نہیں، تو نہیں۔ بیوی نے کہا کہ کیوں؟ فرمایا کہ تو مشکل تو ہے گی۔ مچھر جو ہاتھوں سے لگی رہ جائے گی اُس سے سراور گردان پر (بیوں بیوں) مل لے گی۔ اور اس طرح مسلمانوں کے مال سے نفع انہوں مہوجائے گی۔ میں یہ طرح نہیں ڈالنا چاہتا۔

آپ کے بیٹے، حضرت عبد اللہ لاہیان ہے کہ۔ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور انہیں سرکاری چڑاگاہ میں بھیج دیا۔ وہ موٹے ہو گئے تو انہیں بازار میں فروخت کرنے کے لئے لے آیا۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت عمر فاروق ادھر سے ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسے فربہ اونٹ کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا تو پوچھا کہ ایسے موٹے تازے کس طرح ہو گئے۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں **بیٹے کے اونٹ** سرکاری چڑاگاہ میں بھیج دیا تھا۔ تاکہ جو قائد دوسرے مسلمان اٹھاتے ہیں، میں بھی اٹھاؤں۔

یہ سن کر آپ کو سخت غصہ آیا۔ کہا کہ عام مسلمانوں کا ذکر کیوں کرتے ہو۔ کہو کہ امیر المؤمنین کے بیٹے کے اونٹ نکھتے اس لئے حکومت کی چڑاگاہ میں بھیج دیئے سنوا! اونٹ فروخت کرو۔ اسیں امال رکھو اور سارا منافع بیت المال میں جمع کراؤ!

حضرت عمر فاروق کے بیٹے عبد اللہ اور عبد اللہ جہاد سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشتری سے ملے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کچھ روپیہ بیت المال میں داخل کرنے کے لئے بھیجنے ہیں۔ وہ بیٹے جاؤ۔ **بیت المال کا روپیہ اور بیٹے** میں وہ روپیہ نہیں بیٹھ ر قرض دیئے دیا ہوں۔

تم اس سے کچھ عراقی مال خرید لو۔ مدینے جا کر مال بیج دینا۔ اصل بیت المال میں جمع کر دینا اور منافع خود رکھ لینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمر فاروق کو معلوم ہوا تو بیٹوں کی طلبی ہو گئی۔ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ گورنر نے بیرون پر اہمیت دیا تھا۔ اس سے انہوں نے کاروبار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا گوئز نے صالوے شکر کو اس طرح ادھار دیا تھا یا صرف تم دونوں کو؟ انہوں نے کہا کہ سارے شکر کو تو نہیں دیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ مچھر اس نے تمہارے سامنے یہ ترجیح سنوک، اس لئے کیا کہ تم امیر المؤمنین کے بیٹے تھے۔ جاؤ! مال اور منافع دونوں بیت المال میں جمع کرو۔

محبلیں مشادرت کے بعض رفقاء نے مداخلت کی تو بیصد مشکل آپ اس پر زانی ہوئے کہ نصف منافع انہیں دے دیا جائے۔

(حوالہ۔ ص ۳۱۹ - ۳۲۰)

ام المؤمنین حضرت حفصہؓ آپ کی چیتی بیٹی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کے پاس کچھ مال آیا تو وہ آئیں اور کہا کہ اس میں سے کچھ مجھے بھی دے دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں کیسے دے دوں؟ انہوں نے کہا کہ قرآن کریم میں اقربا کے ساتھ حسین سلوک کا حکم آیا ہے۔ اور میں آپ کے افراد میں سے ہوں۔ یہ سن کر آپ سکرا کے اور کہا کہ بھی آپ کو وصوکا دیتی ہو۔ وہ حکم ذاتی مال کے لئے ہے، اور یہ میراذلتی مال نہیں۔ مسلمانوں کا ہے اس

لئے اس پر قرآن کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔ (ص ۳۲۳)

اس سے مجھی آج کے طبقہ تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ کوئی پہلی یا آخری پینے کی کوئی اور اچھی چیزیں آتیں تو انہیں حصہ رسیدی اہمیت المعنیں (یعنی نبی اکرمؐ کی ازدواج مسلمانوں کے) کو تحفہ بھیجتے۔ حضرت حفصہؓ ام المؤمنین بھی تحفیں، لیکن اس کے ساتھ حضرت عمر رضیٰ بھی بھیجتے۔ آپ اہم امور کے حصے کا تھے وقت، حضرت حفصہؓ کا حصہ سب سے آخر میں لگاتے کہ اگر مقدار میں کمی رہ جائے تو وہ آپ (حضرت حفصہؓ) کے حصہ میں ہو! (ص ۳۲۳)

احتیاط کی انتہا ملاحظہ فرمائیے:-

حضرت مسیحیت بیت المال کے خزانی تھے۔ ایک دن بیت المال میں جھاڑ دینے لگے تو کوئے میں سے ایک درہم (اس وقت کا کم سکہ) لادھ لگا۔ اتفاق سے حضرت ایک درہم سکے طور کا ایک بچہ پاس کھڑا تھا۔ خزانی سے وہ درہم اس بچے کو دے دیا، اور کھر جلا لگا۔ ابھی کھر پر بہنچا ہی تھا کہ امیر المؤمنین کا بالا دا آگیا۔ وہ آیا تو دیکھا کہ دہنی درہم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ کہا کہ مسیحیت! میں نے تمہارے سامنے کوئی زیادتی کی تھی جو تم نے مجھ سے اس طرح بدلتے لینا چاہا۔ تم سوچ کر قیامت کے دن جب اُمّتِ محمدؐ کی بھروسے اس درہم کی بابت پوچھے گی تو میں کیا جواب دوں گا۔ (ص ۲۶۵)

یہ ثوا فربا کی بات تھی۔ ایک دفعہ آپ نے کسی رفیق سے کہا کہ میں تم سے محبت کرنا ہوں اور تمہیں اپنے دوست سمجھتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے لئے مجھے بخشنی۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جو مراعات مجھے اس وقت حاصل ہیں انہیں سے کچھ حسینی کارادہ ہے! اللہ اکبر۔ سرپرہِ مملکت سے جس نہ قریبی تعلق، اتنی ہی کم مراعات!

## دیانت و امانت

دیانت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ علاج کے لئے شہر تجویز کیا گیا۔ شہر بیت المال میں موجود تھا لیکن امیر المؤمنین کے ہاں راشن میں نہیں آتا تھا۔ آپ نے خود شہر نہیں لیا۔ کابینہ کی میٹنگ بلائی اور اس کی منظوری کے بعد شہر لیا۔ (ص ۳۲۴)

امام الکاظمؑ اور امام شافعیؑ کی روایت ہے کہ ایک صاحب حضرت عمر رضیٰ کے پاس مقصود اساد و مدد لائے جس پی کر آپ خوش ہوئے۔ پوچھا کہ یہ دور ہوا آپ کہاں سے لائے ہیں۔ اس نے کہا کہ فلاں جرشمہ پر بیت المال کے اونٹ جمع کئے اور نگران ان کا درود دوڑ رہے تھے۔ اس میں سے انہوں نے تھیڈ اساد و مدد مجھے بھی دے دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضیٰ کے حق میں انگلی والی اور قرکے دو دھنکال دیا اور خرمایا کہ بیت المال سے کچھ بھی بالا قیمت لینا جائز نہیں۔ (ص ۳۹۵)

اس دیانت، اور امانت کا تینچہ کیا تھا، اس کا اندازہ ایک وانچہ سے لگاتی ہے۔ جب ایران (ہراٹ)

فتح ہوا تو اس کا مال غنیمت مدینہ پہنچا۔ اسے دیکھ کر اہل مدینہ کی آنکھیں بکھل کی کھل رہے گئیں۔ نزد جو اہرات مالِ دادولت۔ نوادرات کی ائمیٰ کثرت تھی کہ ان کا ذہن اسے باور نہیں کرتا تھا۔ حضرت سعد بن وناہن نے اس مال کو صحیح ہے وقت، جو خط امیر المؤمنین کو بھیجا تھا اس میں کھسا مخففاً کہ اس مال کی کثرت یقیناً و بجزیت ہو گئی لیکن اس سے بھی باعثِ مسرت امر یہ ہے کہ یہ نام نزد جو اہرات مسلمان سپاہیوں کو ایسے سقماست سے ملے تھے جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن ان میں سے کسی نے ایک سوں بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ سب کچھ لاکر مرکز میں جمع کر دیا۔ یہ پڑھ کر حضرت عمر بن کی آنکھوں سے آنسو چھکنک پڑے اور کہا کہ اس قسم کی دیانت اور امانت کی مثال اور کہاں مل سکے گی۔

حضرت علیؑ پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ عمرؑ تمہیں معلوم ہے کہ سپاہیوں کی اس دیانت اور امانت کا ناز کیا ہے؟ وہ راز یہ ہے کہ

چونکہ آپ کا وامن پاک ہے اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک وامن ہے۔ اگر آپ کی نیت فھیک نہ ہوتی تو ریاست کی نیت میں بھی فرق آ جاتا۔ (ص ۱۸۲)

سرورِ اہم مملکت کا کیر بیکڑ رعایا پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس رعنی سے واقعہ سے لگائیجئے۔

ایک رات آپ گشت کرتے تھے تو ایک مکان کے باہر اس کی دیوار سے طیک دودھ میں پانی شلانے والی لڑکی اٹکا کر بیٹھ گئی۔ ستائونا اور ایک بخوبی لڑکی سا پانی ڈال دو۔

اس نے کہا۔ آماں! تمہیں معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے شدت سے منع کر گھا ہے۔

مال نے کہا۔ اُنھوں۔ اور دودھ میں پانی ڈال۔ اس جگہ کو نسا امیر المؤمنین تمہیں دیکھ رہا ہے۔ بیٹھی نے کہا۔ آماں! امیر المؤمنین نہیں دیکھ رہا، تو وہ خدا تو دیکھ رہا ہے جس کا حکم امیر المؤمنین حم نک پہنچا تے ہیں۔

صحیح ہوئی تو آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ جلدی سے جا اور دیکھ کر وہ لڑکی شادی شدہ ہے یا الجھی اس کی شادی ہوئی ہے۔ اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اسے ہونا کر گھر لے آگر اس قسم کی نہستیں روز روzenہیں لاکر تین معلوم ہوا کر لڑکی بیوہ ہے۔ آپ نے اپنے بیٹھے عاصم سے اس کی شادی کر دی۔ (حوالہ۔ ص ۲۱۳)

یہی وہ اصول تھا جسے حضرت عمر رضتے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام اپنے ایک خط میں رقم فرمایا تھا کہ  
یاد رکھو! جب حاکم بکھر جاتا ہے تو رعایا بھی بکھر جاتا ہے۔ سب سے زیادہ بکھت وہ شخص

ہے جس کی وجہ سے اس کی رعایا بگڑ جائے۔ (ص ۱۲۹)

اور اسی خط میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ

اگر تم یہ جاننا چاہو کہ اللہ کے ہاں تمہارا مقام کیا ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ کی مخلوق تھیں کیا تھی

سے ہے۔ ابھی طرح بیان لو کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ وہی ہے جو مخلوق کے ہاں ہے۔ (ص ۱۳۰)

نماز، روزہ احکام خداوندی کی اطاعت ہے (بکہ اکثر اذنات انہیں

محض عادتاً ادا کر لیا جاتا ہے) لیکن (حضرت عمر بن حفیظ کے معیار کی

لئے) قابل اعتماد اسی کو سمجھا جا سکتا ہے جس کے لوگوں کے ساتھ معاملات درست ہوں۔ اس

سلسلہ میں وہ واقعہ مشہور ہے کہ

ایک دفعہ ایک شخص سے آپ نے کہا کہ اپنی بات کی تائید کے لئے کسی ایسے آدمی کو لاٹ جو اعتماد کے

قابل ہو۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ

کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟

اس نے کہا۔ نہیں۔

پھر پوچھا۔ کیا تم کبھی اس کے ہمسایہ رہے ہو؟

اس نے کہا۔ نہیں۔

آپ نے پھر پوچھا کہ

کیا اس کے ساتھ تمہارا کوئی معاملہ پڑا ہے؟

جب اس نے اس پر بھی کہا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ

پھر تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں سرخھلاتے، سر

اطھاتے دیکھ لیا ہو گا۔ اور اس سے سچھ لیا کرو وہ قابل اعتماد ہے۔ (ص ۱۳۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف جس خط کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ

جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے تم سب کے لئے اپنے دروازے یکسان طور پر بکھل

رکھو۔ ان کے کام خود سرانجام دو۔ مرتضیوں کی حیادت کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو

کیونکہ تم اپنی میں کے ایک فرد ہو، اس فرق کے ساتھ کہ اللہ نے تم پر بہت بڑی ذمہ داری

ڈال دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اور تمہارے گھر والے ایسا کپڑا ہوتے، ایسا کھانا

کھاتے اور ایسی سوچیاں رکھتے ہیں، جو عام مسلمانوں کو ہی نہیں۔ خدا کے بندے سے ایک

کہیں تیرا حال اس جانور کا سامنہ ہو جائے جس کا گذرا ایک شاداب وادی پر ہوا تو سوائے

پُر خود ہی اور فریبی کے اس کے سامنے کوئی مقصد ہی نہ رہا، حالانکہ وہی پُر خودی اور فریبی

اس کی بلالکت کا موجب بھی۔ ابھی طرح یاد رکھو کہ حاکم کو خدا کے سامنے پیش ہونا ہے جب

حاکم پُر خود ہے تو رعایا بھی بگڑ جاتا ہے۔ سب سے بدیخت وہ انسان ہے جس کی وجہ سے

اس کی رعیت پہنچت ہو جائے۔ (منٹ ۲۷)

حضرت سعد بن امی و قاصش ہری کے لئے یہ مہابات ہنہیں تھیں۔ آپ جب بھی کسی کو گورنر بنانا کہدیجہ نہ تو فرماتے۔

بادر کھو! میں تم لوگوں کو مستبد اور ظالم بناؤ کہ نہیں بھیج یا بلکہ رعایا کاراہ غلام (ام) بناؤ کر بھیج رہا ہوں۔ کبھی کسی پہنچو کو نہ مارنا کہ دہ ذلیل ہو جائے اور کبھی کسی کی پہنچو فریف نہ کرنا کہ وہ مجھل جائے۔ لوگوں کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کے بجائے ہوں ہمیں جہیبا کرنا۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اث Shrī علیہ السلام کو لکھا:-

اپنی مجلس میں لوگوں کو مساوی درجہ دوتاکہ لکزور آدمی تمہارے ہدال سے ناہمیدہ ہو جائے اور صاحب منصب اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

(۳) جب کسی حاکم کے متعلق سنتے کہ وہ مرليقوں کی خیادت کے لئے نہیں جاتا اور صاحب احتیاج اس کے پاس آنے سے گھبراتے ہیں تو آپ اسے برخاست کر دیتے۔

(۴) حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے نام ایس خط میں لکھا:-

بادر کھو! لوگوں کے معاملات وہی ستوار سکتے ہیں جن کا عزم راسخ ہو اور وہ کسی سے دھکو کا نہ کھاتیں۔

نہ دھکو کا دیتا ہے نہ دھکو کا کھاتا ہے [ضمہ، ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ مومن کسی کو دھکو کا نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ بات مکمل کرو۔ مومن نہ کسی کو دھکو کا دیتا ہے، نہ دھکو کا کھاتا ہے۔]

(۵) ہر عامل سے ہمدردیا جانا... کہ وہ (۱) ترک گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا (کہ اس میں رخوت اور سخت پائی جاتی ہے)۔ (۲) باریک پر طے نہیں ہیٹھے گا۔ (۳) جھندا ہوا آٹا نہیں کھاتے گا۔ (۴) اپنے دروازے پر دیان نہیں بٹھاتے گا۔ (۵) اہل حاجت کے لئے اپناء دروازہ کھلار کھے گا۔ پہش الراعی تقریب کے پردائے میں درج کردی جاتی تھیں اور انہیں مجمع عام میں پڑھ کر بھی سنا دیا جاتا تھا۔

(۶) آپ نے ایک دفعہ اپنے عالی کو منحاطب کرتے ہوئے کہا:-

بادر کھو! رعیت اس وقت ناک اماں کی پریوی کرتی ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ جب وہ احکام خدادندی سے سرکشی بر تما ہے تو رعایا اس کے احکام سے سرکشی اختیار کر لیتی ہے۔ جب وہ فتنہ دھخور اختیار کر لیتی ہے تو رہایا اس سے ٹھڑھ کر نا سق دخا جر ہو جاتی ہے۔

(۷) ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی اور حضرت عثمانؓ کی دعوت کی۔ جب وہاں سے ہالیں آئے تو آپ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کاش! میں یہ دعوت قبول نہ کرتا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں؟

فرمایا۔ مجھے در ہے کہ کہیں یہ دعوت اس لئے ذکی گئی ہو کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ دیکھو! میں کتنا طباً آدمی ہوں جس کے گھر اتنے اتنے بڑے لوگ کھانے کے لئے آتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ غالی حکومت کو بھی دعویٰ قبول کرنے سے روکا کرتے رہے۔

(۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مراسد میں لکھتے ہیں کہ مجھے اطلاع مل رہے کہ کسی بھکڑے میں قبیلہ ضمیر نے اپنے امیر کی طرف رجوع کرنے کے بحاشے، اُلیٰ ضمیر (اپنے قبیلہ) کو مد کے لئے پکارا تھا۔ یاد رکھو اجنب کوں شخص اپنے قبیلے کو آواز دے تو سمجھو کر وہ شیطان کی آفاز **عصمتیتِ جاہلیہ کے خلاف** ہے۔ اس سے عہد جاہلیت کی قابلی عصمتیت بیدار ہو جائے گ۔ اس رہجان کو سختی سے روکو۔ اب، گروہ دوہی ہوں گے۔ ظالم زیادی کرنے والا اور مظلوم اور مظلوم صرف امیر کو مد کے لئے پکارے گا۔

(۹) حضرت مولود بن عاصؓ کو ایک خط میں لکھا۔ اور غرر سے سینے کر کیا تھا۔ لکھا کہ تم اپنی رعایا کے لئے ایسے بن جاؤ جسے تم اگر رعایا ہو تو چاہو کہ تمہارا امیر ایسا ہو۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم مجلس میں تکمیل نہ کر سکتے ہو۔ ایسا ہر گز نہ کر۔ عام لوگوں کی طرح بیٹھا کرو۔

(۱۰) ایک اور قول سنئیں اور جھووم جائیں۔ فرمایا:-

**ترجمی بلا ضعف۔ سختی بلا جبر** [وہی حکومت درست وہ سختی ہے جس میں اور جس میں سختی ہو، لیکن استبداد کی بنا پر نہیں۔ بلا ضعف سختی، اور بلا جبر قوت یہ ہے اصل الاصول۔]

ایک اور مقام پر فرمایا کہ طاقتور خائن اور مکروہ دیانتار دونوں حکومت کے لئے نقصان رسالہ ہوتے ہیں۔

(۱۱) حضرت مغیرہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تو کہا کہ مغیرہ اپنے ایسا بن کر رہا کہ گراہی بھجو سے بے خود رہیں اور بد منا ش خوف زدہ۔

(۱۲) ایک اور دھدک آفریں قول — فرماتے ہیں:-

**وجد آفریں قول** [جو شر پیدا کر کے غالب آیا، وہ غالب نہیں مغلوب ہے۔ جس نے ناجائز طریق سے کامیابی حاصل کی، وہ کامیاب نہیں نام ہے۔]

ایک دفعہ حضرت علیہ السلام سعد بن میثرب حفص میں نیز پر بھکڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ جب کہ اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ قابل شکست رہے گا۔ لیکن حکومت کے زور

کام مطلب تدارسے قتل کرنا ادستار یا نے ارتائیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ موافق کرنا ہے۔

حضرت عمر بن علیؑ نے بناء تو فرمایا۔ اے کاش! غیر فوجیساً آدمی میرے قریب ہوتا تو یہ اس سے مسلمانوں کے کتنے کام لیتا۔

(۱۴) ایک دفعہ عراق کا ایک وفد آیا جس میں حضرت احمد بن قیم شیخی تھے سخت گرمی کا دن تھا۔ دیکھا کہ حضرت عمر بن علیؑ ہوپ میں کھڑے ہیں بیت المال کے ایک اونٹ کو تیل مل رہے ہیں اور اپنی عبا کو پیغیٹ کر سر پر بطور عاصہ باندھ رکھا ہے۔ وفد کو دیکھا تو فرمایا:-

احتف! اکپر سے انا رکر آجا اور میری مدد کر۔ یہ بیت المال کا اونٹ ہے جس میں شہیوں بیواؤں اور مسکینوں کا حاجی ہے۔

ایک شخص نے کہا۔ امیر المؤمنین! آپ کسی غلام (خادم) سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ یہ کام کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے اور احنت سے طیاغلام کون ہو گا۔ اور اس کے بعد وہ انقلاب آفریں فقرہ ارشاد فرمایا جس کے لئے ہم نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ کہا:-

## غلام کی طرح ملخص اور امین

جو شخص مسلمانوں کا دالی بنے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلام کی طرح ملخص اور امین رہے۔

(۱۵) — عام تاکید یہ تھی کہ کھرد سے بناواد صحیبوں کی طرح ناز و انداز نہ کرو۔ اپنے آپ کو ان کے دیاس سے بھی بچاؤ، کہ وہ تمہیں آرام طلب بنادے گا۔ سخت ہو۔ جیچو طما مظما کھاؤ۔ کارڈھا گزی ہینو پر اک پکڑے استعمال کرو۔ سواریوں کو خوب فرم کرو۔ ڈٹ کر کھڑ سواری کرو اور جسم کر تیر اندازی کی مشق کر تھے وہج۔ ہمیں مختلف سے من کیا گیا ہے اس لئے کبھی تکلف نہ کرو۔ دین میں تفہیم حاصل کرو۔ کتاب کے طرف اور علم کے سرچشمے بخو۔ سیادت و قیادت حاصل کرنے کی خواہش ہے تو پہلے سمجھ پیدا کرو جس میں تکبیر و یکھو، سمجھ لا کرو وہ احسان مکتری کا شکار ہے۔ (۱۶) اور آخریں وہ ہدایت، جس میں تمام ہدایات سموجانی ہیں۔ فرمایا:-

## محاسبہ خویش

اپنا حساب آپ کر کر قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے۔ کیونکہ جیسا ہے خویش تھا۔

اپنے آپ کا وزن کرتے رہو قبل اس کے کہ تمہارے لئے میرزا کھڑی کی جائے۔ اپنے آپ کو عرض اکبر (عدالت کی طبی پیشی) کے لئے تیار رکھو جس دن تمہاری کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔ (حوالہ۔ ص ۲۹۱ - ۲۹۵)

ایک دفعہ مصر کے حاکم حضرت خیاض بن غنم کے متعلق شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنچتے ہیں اور انہوں نے

## رائی کے فرائض | دروازے پر دربان مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عمر بن زین نے انہیں ان کے عبید سے معزول کیا۔ مدینے والی پالیا اور ان سے کہا کہ

ابن تمیض انار کر کمبل کا جسمہ بینو۔ بکریوں کا ریوٹسے لر بگل کی طرف جاؤ اور بکریاں چڑاؤ اور سہر ریگدز کو پانی پلاو۔ اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رائی کے فرائض کیا ہیں اور رعایت کے حقوق کیا!

(ص ۲۲۷)

(ضئی) رائی کے معنی ہی چوڑا ہیں۔ اس لفظ میں سربراہ حملات اسلامیہ کا صحیح مقام مضمون ہے۔

(۰)

## عدل

اسلامی حملت کے قیام اور وجود کی وجہ احوال ہی نظامِ عدل کا قائم ہے۔ عدل ایک ٹبری جامیع اصطلاح ہے جو الفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر کوشش کو محیط ہے۔ ہم اس مقام پر صرف عدالتی عدل کی دو ایک مشاہدوں پر اتفاق آئیں گے۔ مصر کے گورنر حضرت عمر بن عاص (رض) کے بیٹے نے ایک قطبی کے بیٹے کو کسی بات پر تازیا یوں سے پیٹا۔ وہ تازیا نے مارتا جاتا تھا اور اس سے کہتا جاتا تھا کہ دیکھو! بڑوں کی اولاد ایسی ہوتی ہے۔ اس نے اگر حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو آپ نے باب بیٹے (وزیر عمر و بن عاص) کے بیٹے کے معاملہ سے کہا کہ جس طرح اس نے تمہیں تازیا کیا تو

سے پیٹا تھا، اسی طرح تم اس کے تازیا نے لگاؤ۔ وہ اسے کوڑے بے مارتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ کہتے جاتے تھے کہ ”مار۔ بڑوں کی اولاد کو اور مار“ جب وہ اُسے پیٹ چکا اور کوڑا حضرت عمرؓ کو والیس کرنے لگا تو آپ نے اس سے کہا کہ دو ایک کوڑے اس کے باب (حضرت عمر و بن عاصؓ) کے بھی مار د کہ اگر اس نے اس کی صحیح تربیت کی ہوتی تو اس کے ذہن میں یہ ختناس نہ سما آ کر وہ بڑوں کی اولاد ہے۔ قطبی نے کہا کہ جس نے مجھے مارا تھا میں اس سے یہ لمحے چکا ہوں۔ میں انہیں پیٹنا نہیں چاہتا۔ آپ نے کوڑا اس سے لے لیا۔ سخت غصب آؤز نگاہوں سے حضرت عمرؓ بن عاصؓ کی طرف دیکھا اور وہ فقرہ کہا جو تکمیل آدمیت اور شرف انسانیت کی تابندہ دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا:-

”عمر و بن عاص نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا۔ ان کا ذم نے تو انہیں آزاد جانا تھا۔“

”ان کی ماذم نے تو انہیں آزاد جانا تھا۔“ یہ۔ قرآن کریم کے اس اپری اصول کی درخشندہ قشرت حس میں پایا گیا ہے کہ ولقدن کرمتا تسبیح اذقر۔ (بیان) ہم نے ہر انسان کو، اس کے انسان ہونے کی جمیت سے واجب التکمیل پیدا کیا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں۔

اصل تہذیب احترام آدم است

## اور خود اپنے خلاف ۱

حدائقِ شریعت میں ایک شخص ہے پسند کی شرط پر گھوڑا کھیدا اور امتحان اُس پر سوار ہوئے۔ گھوڑا جو طلب اپنے خلاف فیصلہ کر دیا۔ آپ نے اسے واپس کرنا چاہا۔ ماں کے نے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ اس معاملہ میں تصفیہ کے لئے کسی کو ثالث مقرر کر دیا تو اس نے کہا کہ میں شریعت کو ثالث قرار نہیں دیتا۔ اپنے نے اجر اسٹا تو کہا کہ امیر المؤمنین! یا گھوڑا خیر پیش کر دیا تو اسے واپس کیجئے۔ آپ اس فیصلہ پر بہت خوش ہوئے اور شریعت سے کہا کہ آپ منصبِ قضاء کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ یہی ہیں کوئی مشہور خاصی شریعتی جنہوں نے سامنے بردن تک اس فرضیہ کو بجاں جن و خوب سراخجا کر دیا۔

اس سے بھی آجے ٹریست۔ آپ ایک مقدمہ میں رعنی علیہ کی حیثیت سے حضرت زید بن ثابت کی لذت بیش ہوتے۔ انہوں نے آپ کو تعلیماً جھانا جاہا تو آپ نے اُن سے کہا کہ زید! اقلم سے النصات کی توقع حضرت عمر بن الخطاب میں | انتیاز کرنے شروع کر دیا ہے! یہ کہہ کر رعنی کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ کو رعنی سے انکار کرتا۔ ہنچی خلاف (ابی بن کعب) نے آپ سے حلقت لینے کو کہا۔ اس پر حضرت امیر المؤمنین (مدحی) سے کہا کہ امیر المؤمنین سے قسم نہیں لیتی چاہیے۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب سخت پر افروختہ ہوئے اور کہا کہ زید! تم منصبِ قضاء کے اہل نہیں۔ جو خاصی کسی فرقہ مقدمہ کی پوریش کا خیال رکھتا ہو وہ انصاف نہیں کر سکتا۔ (حوالہ۔ ص ۱۵)

## تکمیل مضمون انسانیت

اوپر بات تکمیل انسانیت کی پوری ہی تھی۔ یہ تکمیل مسلمانوں کے محمد در نہیں تھی۔ قرآن مجید نے ہر بن آدم (انسان) کو واجبہ التکمیل قرار دیا ہے۔ اس میں اپنے اور بیگانے مسلم اور عیز مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔ اسی باس پر قرآن تعالیٰ اور تربیتی شیوه کے ان حضرات میں کتابت بدلی پیدا کر دی تھی، اس کا اندیشہ اس ایک واقع سے تھا یہ کہ ایک دفعہ حمقی کے حاکم حضرت عیاشؓ میں سعد کی زبان سے ایک قسم (تکمیل) و نیز مضمون بغاٹا کے خریر کی متعلق بہ الفاظ انکھل گئے۔ اختری اللہ۔ خدا تھے رسول کریم اس پڑا ہیں؛ اس قدر نہ ملت اور نامفت ہوا اور سب سے با بد خلافتہ ہیں، پہنچے اور ہی کہ حضرت عمر بن الخطاب نہ ملت ہیں اپنا استحقاق پیش کر دیا کہ یہ نہ کہ ایک انسان کی نسلیں کی ہے؛ میں لے گئے میں اس منصب کا اہل نہیں۔ (چ ۲۳۷)

صریح کے کوئی حضرت، نہ ہوں عاصی۔ نے ایک دفعہ ایک شخص کو منافق کہا دیا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ اس

سے زیادہ اس کی خلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان سے کہا کہ اس شخص سے معاف ہاگ کر اسے راضی کرو ورنہ بین آپ کو سزاد سے دوں گا۔ (ص ۴۲۳)

یہ تو احترام انسانیت کی بات ہوئی۔ دوسری طرف، ایک شخص آپ کی تعریف کرنے لگا۔ قیامت پر فرمایا۔  
کیا تو مجھے اور رائے آپ دو فوٹ کوہلک کرنا چاہتا ہے؟ (ص ۴۲۳)

خدا کا عبد (بندہ) اپنے ذرا نفس کی ادائیگی، فس صد کی امید یا معاوضہ کی توقع پر تھیں کرتا۔ اس کا پہلا اعلان یہ ہوتا ہے کہ لا اُنْتَيْتُنْ يَشْكُمْ حَرَاءَ وَ لَا تُشْكُرُ (۶۷)۔ یہ تم سے، کسی قسم کے مذاقہ کے قرائیں طرف، شکریہ کا کے بھی متنہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تعریف سے بڑھ کر صد کو نسا ہو سکتا ہے۔ یہ فرمیت (جس کا اور پردہ کیا گیا ہے) سربراہ ملکت ہی کی نہیں تھی۔ اس نظام میں عام کارکنوں میں بھی یہ تدبیل پیدا ہو چکی تھی، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائی۔ ایک جنگ میں، وہ من کا ایک سردار اس بے چیزی اور جھاتے بسالت سے لڑتا تھا کہ اسے منلوب کرنا مشکل نظر آتا تھا۔ مجاہدین کے سپر سالار نے اعلان کیا کہ جو شخص اس سردار کا سرکاٹ کر لے آئے گا، اُسے ہزار دینار انعام دیا جائے گا۔ جس ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ اس سردار کا سرپر سالار کے بھی کے باہر پڑا ہے اور کسی کو پتہ نہیں کہ یہ کارنامہ کس نے سرانجام دیا ہے۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر بھی کچھ معلوم نہ ہوا سکا تو سپر سالار نے اعلان کیا کہ جس مرد جری نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں کروہ بیرے سامنے آئے۔

یہ سن کر ایک غیر معروف سا سپاہی سامنے کھڑا ہو گیا۔ سپر سالار نے پوچھا کہ یہ تمہارا کارنامہ ہے اس نے کہا۔ ہاں! تو سپر سالار نے کہا کہ یہ تو تمہارا انعام۔

اس نے انعام لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ خدمت خدا کے لئے سرانجام دی ہے، انعام کی خاطر نہیں۔ سپر سالار بہت خوش ہوا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ بولا۔ آپ میرزا نام پوچھ کر کیا تھیں گے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اس کا شہر و کروں تم اس طرح میرا جو بھی ضائع کر دیتے اور شیرے نفس کو بھی خراب کر دو گے۔ مجھے جانے دیجئے۔ (حوالہ ص ۱۴۵)

## کامیابی کاراٹ

بھی وہ حسن کرد ار تھا جس میں مومنین کی اس کامیابی کا راز تھا، جسے رائے تو ایک طرف، غیر بھی محیر الدقول اور عدیم النظر توارد تھے ہیں۔ اسی حقیقت کا حضرت عمر فاروق، حضرت مسعود بن وفاصل کے نام ایک گرامی نام میں یوں انہیاں فرمایا تھا۔

میں نہیں اور تمہارے شکریوں کو حکم دیتا ہوں کروہ ہر حال میں اللہ سے ڈرستے رہیں کیونکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے سب سے زیادہ مُحِّرر ہو چکیا۔ اور سب سے زیادہ کامیاب تدبیر، خوف خدا ہے۔ خوف خدا کے معنی ہیں، احکام خداوندی کی خلاف درزی سے بچنا۔ میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کلم اپنے دشمن کی فسیت، اخلاقی خرابیوں سے زیادہ بچو کیونکہ اہل شکر کی اپنی اخلاقی خابیا۔

ان کے حق میں دشمنوں کے ہملوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں مسلمانوں کی فتح صرف اس لئے ہوتی ہے کہ دشمن کے اخلاق ان سے زیادہ پست ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات مدھو تو مسلمان کبھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ اس لئے کہ نہ تھاری فوج، تعداد میں ان کی فوج کے بردار ہے تہذیب و سماں میں لہذا اگر گنہگاری یعنی بد اخلاقی اور بد کوادی میں ہم اور وہ ایک سطح پر ہوئے تو ہم وہ کوئی چیز ہو گی جس کے بل بھتے پر ہم ان پر غالب آ سکیں گے۔ الہم حسن سیرت میں ان سے آگئے ہوں گے تو ہم ان پر فتح حاصل کر سکتیں گے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے اور پر کراہ کا تباہی مقرر ہیں جو تمہاری ہر بات کو جانتے ہیں۔ ان سے ستراؤڑا اور اس طرح ظاہر و باطن ہر بدن اخلاقی اور معصیت سے بچو۔ کچھی خیال نہ کرو کہ ہم ہر سے ہی سبی، لیکن دشمن ہم سے زیادہ بُرا ہے اس لئے خدا یہ بھی نہیں کر سے گا کہ خواہ ہم بُرائی ہی کیوں نہ کرتے رہیں، وہ ہم پر سلطہ جو چلتے۔ تاریخ میں دیکھو۔ کتنی قومیں ایسی تھیں کہ ان سے زیادہ بُری قومیں ان پر سلطہ ہو گئیں۔ بابل کا بخت تصریح اسرائیل پر کس طرح مسلط پوگا ہا لانگہ بن اسرائیل یہاں عالی خدا کو مانتے تھے اور اہل بابل کا ذریعہ مشرک تھے۔ (المذا، اپنا اور دشمن کا مقابلہ براہیوں کے پیارے سے نہیں، اچھائیوں کے پیارے سے کرو۔ اسی میں کامیابی کا راز ہے)۔ (مشکل)

(۴)

## معاشی نظام

روُل کا مسئلہ انسان کی زندگی کا مسئلہ ہے۔ یہ روزِ اقل سے آج تک اس کے ساتھ رکھا چلا آ رہا ہے، اور سگا چلا جائے گا۔ قرآن نے کہا ہے کہ ایک نظام معاشرہ وہ ہے جس میں روُل کا مسئلہ ہی مقصد حیات بن کر رہ جائے گا، اور ہر شخص کھانے پینے کی پریشانیوں میں سر کھپاٹا ہوادنیا سے ہل بستا ہے۔ قرآن کے تردید یہ حیوانی سطح تدلی ہے۔ اسے وہ کفر سے تعبیر کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَسْهَقُونَ وَيَا أَكْلُونَ كَمَاتَأَكُلُ الْأَنْتَامُ وَالْمَسَارُ  
مشوی لَهُمْ (۲۴)

کفر یہ ہے کہ انسان حیوانات کی طرح حض کھانے پینے کو مقصود حیات قرار دے لے۔ اہلِ جهنم میں الْجَهَنَمُ میں الْجَهَنَمُ ہے۔ اس زندگی کا مآل جہنم ہے۔

دوسرانظام یہ ہے کہ ازادِ معاشرہ، کھانے پینے (سامان زیست) کی نکر سے آزاد اور غارغہوں اور اپنی صدای حیتوں کو ارتھاً اور فروعِ انسانیت کے لئے وقف کر دیں۔ یہ اسلامی نظام ہے اور اس کا مآل جنت کی زندگی۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اسلامی نظام، تمام افرادِ معاشرہ کو سامان زیست ہم پہنچانے کی فرماداری اپنے سر پر لے لیتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ تَحْمَنْ كَرْزُ فَكُمْ وَإِتَاهُمْ۔ (۴۵) ہم تمہاری ضروریاتِ زندگی کے

بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کی ضروریاتِ زندگی کے بھی۔ جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، اس نظام کی ایجاد رعہر نہیں ہیں ہوئی تھیں یہ تکمیل تک عہد فاروق میں پہنچا تھا۔ اس کی شہادت آپ کا پہلے اعلان یعنی پہنچا تھا ہے کہ

دو مرات کلب علی شاطی الفرات جرعاً۔ کان عمر مستولًا عنہ بیم القيمة (۲۷۹)

الفرات کے کنارے کو قتل کیا بھی بھوک سے مر گیا، تو قیامت کے دن ہر سے اس کی بھی باز پر سہو گی۔

آپ نے اس ذمہ داری میں افراد معاشرو کے ساتھ جا شری بھانوروں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس کا انتظام کس طرح کیا گیا تھا، یہ گوشہ ہمارے پیش نظر موضع سے خارج ہے اس کے متعلق طور پر اسلام میں بکثرت لکھا جا چکا ہے اور پیر قریۃ صاحب کی کتاب۔ نظامِ ربعہ بیت — میں اس پر تفصیل بیش کی گئی ہے) ہر سر دست ہم یہی بتائیں گے کہ حضرت عمرؓ کو اپنی اس ذمہ داری کا اس قدر شدید احساس تھا۔ آپ کے زمانے میں علما کتابت بڑی وسیع ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی زخاہ ہے کہ جرسانی کا نظام بھی پہلی گیا تھا لیکن لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کی ذمہ داری کا احساس اس قدر شدید تھا کہ آپ ذرا اُر خبریسانی پر ہی الخسار نہیں کرتے تھے بلکہ (جہاں تک ممکن تھا) خود رہباہ راست بھی لوگوں کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس کے نے آپ (دن بھر امورِ مملکت کی سر انجام دہی سے عہدہ برآئی تھے کے بعد) راتوں کی تہباٹیوں میں گشت بھی کیا کرتے تھے۔ اس گشت کے بہت سے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں ہم ان میں سے دو چار کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) ایک دفعہ ایک خانم آیا اور شہر سے باہر آتا۔ اس کی خبر گیری کے لئے خود قشریف لے گئے۔ گشت لگاتے چھر پے نظر کے ایک طرف سے ایک شیرخوار بچے کے رو نے کی آواز آئی۔ اُو بھر گئے اور اس کی ماں کو ناکید کر دے پچے کو بہدشی کھڑکی دیر بعد عصرِ اُدھر سے گزرے تو بچے کو رو تے پایا۔ سخت

غصہ کے عالم میں اس کی ماں سے کہا کہ تم بڑی بے رحم ہو۔ اس نے کہا کہ راہر دا پچھر لے دے گھر تھا۔ تمہیں حقیقت کا علم نہیں اور مجھے خداہ مخواہ تھا۔ کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ غرض سننِ حکم دے رکھا ہے کہ بچوں کا ذہنیہ اس وقت سے شروع کیا جائے جبکہ دوسرہ چھوڑ دیں۔ میں اس کا دوڑھ جھپٹاتی ہوں اور یہ دو تاہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کو سخت پر قلت ہوئی اور کہا کہ ہائے عرضہ! معلوم تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا۔ اُسی دن منادی کر دی کہ بچوں کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

(۲) ایک دفعہ آپ گشت کو نکلے۔ شہر سے باہر ایک مقام پر دیکھا کہ ایک خورست کچھ پکار ہے اور دو تین بچے رہ رہے ہیں۔ مخفیت حال معلوم کرنے پر اس نے کہا کہ تین دقت سے بچوں کو کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ میں نے خال مہذبی اچھا کھی ہے کہ بچوں کا دل بہادر ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ قم نے ایسا امر المؤمنین تو اس کی اطلاع دی۔ ہے۔ اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا اس سے اندازہ لگ کرنا ہے کہ اس کرو دیں

عام خورشید کی حکومت کی ذمہ داریوں کو کس حد تک جانتی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ جو شخص حاکم ہو کر رعایا کئے حالات سے بچے خیر پہنچے اس تک شکایت پہنچانے میں کامیابی!

سوچیئے کہ اس سے عمارت فاروق خان کے ول پر کیا گزری ہوگی؟ آپ اُنھیں بیت المال سے آتا تھیں کبھی بکھر دیں لیں اور اسلام سے کہا کہ انہیں میری بڑی بڑی پر لاد دو۔ اسلام نے کہا کہ مجھے دیجئے۔ میں لئے جانا ہوں۔ فرمایا کہ اسلام! اس معاملہ کا نعلق قیامت سے ہے اور قیامت میں تم میرا بوجہ نہیں اٹھاؤ گے۔ اس لئے یہ بوجہ مجھے خود ہی اٹھانے دو۔ سے چیزیں لا کر اس عورت کو دیں۔ اس نے اٹھی بڑھائی تو آپ چہ لہا پھوٹکتے رہے کہا نایا جوا۔ بچوں نے سیر ہو کر کھایا اور اچھتے گوئی نے لگی۔ حضرت عمر رضی انہیں دیکھ کر ہبہت خوش ہو رہے تھے۔ چلنے لگے تو اس عورت نے کہا کہ خدا تمہیں جزاۓ خیر دے۔ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم مخفی دل کوڑا فی الحقیقت امیر المؤمنین ہونے کے قابل تھی تھے۔ (ردست ۳)

جرت ہے کہ ایک شخص دن بھر باشیں لا کر مربع میں پر پھیل ہوئی حملت کے جلد امور سراجم دینا اور پھر انہوں کو اس طرح گشت بھی کرتا ہے تو وہ سوتا کس دفت تھا؟

سوئے کی بات آئی تو یہ بھی سکن تھی۔ ایک دفعہ مصیر کے قاصد، حضرت معاویہ بن حمید کی ملنے کے لئے آئے تو وہ دا ستر دن ڈھنے ملاقات کے لئے تھے۔ آپ کو معاوم ہوا تو کہا کہ تم نے خیال کیا ہوا کہ دوپہر کے وقت امیر المؤمنین قیلو اور فراہم ہو گئے اس لئے تم دیر سے آئے۔ فرمایا۔ معادیہ! جس کے ذمے حملت کے فرائض ہوں، دل تو ایک طرف، اسے رات کے وقت بھی یہند نہیں آسکتی۔ (ردست ۱۲۹)

اس ضمیمہ تذکرہ کے بعد، پھر گشت کے واقعات کی طرف آئی۔

(۲) اور یہیں سے ہمارے سامنہ وہ واقعہ آ جانا ہے کہ جب بھی عمر رضا اُسے یاد کرتے، انکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ آپ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک خیر دیکھا۔ ویرانے میں ایک خیر! شام کے دیرانے کی بڑھیا نہیں تھیں بلکہ کام جھی کچھ حال معلوم ہے۔ اس نے کہا کہ سننا ہے کہ وہ شام سے چل پڑا ہے۔ اس سے زیادہ نہ بھی اس کی بابت کچھ علم ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ آپ نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟ اس نے کہا کہ جس نے آج تک، یہ معلوم نہیں کیا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے، میں اس کے حالات معلوم کر کے کیا کروں گی؟۔ آپ نے کہا کہ تم نے عمر رضا کا اپنی حالت کی اطلاع پہنچانی تھی! اس نے کہا کہ میرا کام نہیں تھا، عمر رضا کا کام تھا۔ آپ نے کہا کہ عمر رضا کو اتنی روز کا حال کیسے معلوم ہو سکا ہے؟ اس کے جواب میں اس بڑھیا نے جو کچھ کہا تو غور سے سمع کے قابل تھے۔ اس نے کہا کہ

اگر عمر رضا اپنی رعایا کے ہر فرز کے حالات کا علم نہیں رکھتا تو اُسے حکومت کرنے کا کیا حقیقی حاصل ہے۔

حضرت عمر رضا جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتے تو انکھوں میں آنسو آ جاتے اور کہتے کہ خلافت کا مفہوم کیا ہے، بھسے شام کی بڑھیا نے بتایا۔

خداؤندرا! خدائی دوسرے نہیں۔

اسی کا احساس تھا کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ

اگر میں نہ رہ تو رغایا کا عالم معلوم کرنے کے لئے سال بھت کم مسلسل سفریں رہوں گا۔ کیونکہ دھردار از علاقوں کے لوگ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے عالم، ان جن سے ہر ایک کی ضروریات سے مجھے آگاہ کرتے ہوں۔ میں شام، جزیرہ، مصر، بحرین، یمن، جاول گا اور ہر مقام پر وہ دو ماہ قیام کر کے لوگوں کے حالات برا و راست معلوم کروں گا۔  
لیکن عمر نے ایضاً کی اور اس دورہ کا موقعہ ہی نہ ملا۔ (رد ۲)

آپ یہ ذمہ تو نہ کر سکے لیکن یہ مستقل حکم تو نافذ تھا کہ

قلبر خلافت میں بال تحقیص نہیں دلت، پر تنگیست کی امداد کی جائے۔ ہر مقر وطن کا قرض ادا کیا جائے۔ ہر کمزور، ضعیف اور مظلوم کی اعانت کی جائے۔ ہر ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ ہر شکے کو کپڑا پہنایا جائے۔ (رد ۲۵)

اور اس کی نگرانی خود کرتے تھت۔ آپ دفعہ ایک قاصد (قیس الشجعی) آپ کے پاس آیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں آیا تو آپ کلڑی کی ٹیکے لگائے اس طرح کھڑے تھے جس طرح چروما اپنے روپ کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو کھانا کھلوادہ ہے تھے۔ آپ چکر لگاتے جاتے اور فرماتے جاتے، اسے یہاں اسے گوشت دے۔ اسے روڈ دے۔ اسے سوربادے۔ (رد ۲۶)

اور یہ کچھ خیرات کی طرح نہیں لجا تھا۔ خیرات کے متعلق توحیف فرمائی ہے کہ: «الصلوة قیمت القلب۔» صدقہ اور خیرات انسان کے دل کی موت ہے۔ صدقہ اور خیرات کے ذریعے حاجتمندوں کی ضروریات اس زمانے میں پوری کی جاتی تھیں۔ جب، پتوڑیہ نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ اس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس نظام کے قیام کے بعد تو ارباب اقتدار اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور ضرورت منہاسے اپنائت۔ اس حق کی ادائیگی میں بھی احترام انسانیت کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

حضرت اسلام کی رعایت ہے کہ ایک دن میں خضرت عمرؓ کے ساتھ بازار گیا تو میں ایک لوجوان خورست آپ سے ملی اور کہتے لگی کہ امیر المؤمنین! میرا شوہر کیا اور پھر میں پھر لے پچھوڑ گیا ہے۔ ان کے لئے کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں۔ میں خفا ف بن ابیاء التغفاری کی بیٹی ہوئی جو حدیبیہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ رہتی تھی۔ آپ اس کی بانیں خاموشی سے سنتے رہے۔ گھر آئے اور ایک تنومند و توانا اونٹ پر سامان

## احترام انسانیت

رسد اور دیگر اشیائے ضروری للاد کر اس کے پاس لے چئے اور کہا کہ بیٹی! اسے ہنگامے لے جا۔ اب تھجھے خود آنے کی ضرورت نہیں بلکہ گی تمام ضروری سامان تم تک خود بخود پہنچ جایا کر سے گا۔ ایک شخص نے دیکھا تو کہا۔ امیر المؤمنین! آپ نے اس لڑکی کو بہت زیادہ دے دیا۔ فرمایا کہ تجھے کیا جکر وہ کس پاپ کی بیٹی اور کس بھائی کی بیٹی ہے؟ یہ میں جانتا ہوں۔ (رد ۲۷)

ایک دفعہ آپ کسی دعوت میں گئے تو دیکھا کہ اہل خانہ کے مالازم دستتر خوان پر موجود نہیں۔ دریا

کرنے پر دناءت، خانہ نے کہا کہ یہم پہلے کھاتے ہیں۔ وہ بعد میں کھائیتے ہیں۔ آپ نے اس پر برا فرمائے۔

خدا یا! اس قوم کا کیا حشر ہو گا جو اپنے آپ کو اپنے ملازموں پر ترجیح دیتی ہے۔ پھر آپ نے ان ملازموں کو باریا۔ پہلے انہیں کھایا اور بعد میں خود کھایا۔ (صفت ۳۷)

## ایک نہایت اہم فیصلہ

معالم بنتا ہے کہ کچھ وقت تک، انتظام یہی مقام۔ ملازموں کے کھانے پینے کی ذمہ داری ان کے مالکوں پر مخفی۔ لیکن اس میں ایک سبق نظر آتا۔ یہ سبق حاصل این ابی بلتعلہ کے غلاموں (ملازموں) کے قلعہ میں سامنے آیا جو ہر مرد سزا کے نسلیہ کے ملازموں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہوا یوں کہ ان کے ملازموں نے ایک شخص کا اونٹ چراکر اذکر کر کے کھایا۔ ان کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو گیا۔ آپ نے حد (سر) نافذ کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟

**مجھوکوں کی چوری**

انہوں نے کہا کہ حاصلت ہم سے سخت کام لیتا ہے لیکن کھانے کو اس قدر کم دینا ہے کہ اس سے ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہم نے انتہائی مجبوری کے عالم میں ایسا کیا ہے۔

یہ سن کر آپ نے غلاموں کو تو صاف کر دیا اور حاصلت کو بلا کہ پہاڑیتے تو یہ کہ پوری کے جرم کی سزا میں تمہارا بھر کٹوادیا جائے کہ اس جرم کے مزکوب تھا اسے غلام نہیں، تم ہو جس نے انہیں اس حالت تک بینپا دیا کہ وہ چوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن میں تم سے زمی بر تباہوں۔ اس دفعہ تو اتنی سزا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ قم اونٹ کی قیمت اس کے ماکن کو ادا کر دے۔ اگر آئندہ تمہارے غلاموں کی یہی حالت ہو گئی تو پھر تمہارے لئے کسی سخت سزا کا سوچا جائے گا۔ (صفت ۲۲)

اس فیصلہ سے جرم و سزا کے معاملہ میں بڑے تغیریں شروع مستحب ہوتے ہیں۔ یعنی یہ سزا میں اس وقت وہی حاصل کرنے کی ضروریت کا شرط کیا جاتا ہے کہ غلام کو پوری سودہ ہی مدد۔ اس کے لئے آپ نے تمام افرادِ ماشرہ کے نظام مقرر کر دیئے۔ خوراک ہر ایک کو بیت المال کے مودی خانہ سے ملن لختی۔ یہ سلسلے کے لئے کہ فی کس کس قدر خوراک وہی جائے، آپ نے (اپنے معمول کے مطابق) عمل طریق اختیار کرایا۔ آپ نے ایک جرس آٹا بیدا کر لوگوں کو اپنے سامنے کھالا یا۔ اس سے تیس آدمی سیہر ہو گئے۔ پھر اسی طرح شام کو بکھرا کر کھلا یا۔ اور جب اہلیان کریما کی اتنا آٹا کافی ہوا خوراک کا معیار ہے تو اس کے مطابق ہر ایک کاماش مقرر کر دیا۔ اسی کے مطابق آپ نے اپنے عمال کو بھی ہر ایک کامیابی کی کامیابی کر دی کہ "لگوں کی خوراک ان کے گھروں پر پہنچا دے۔ اور اتنا دو جس ستمہ ان کا اور ان کے بھوں کا خوب گزارہ ہو جائے۔ یاد رکھو! ملکی طبقی و بنیادی لوگوں کے اصلاح درست ہیں، ہوتکتے۔ اخلاق کامعاشر سے کس تدریج گہرا تعلق ہے؟ اس کا انداز

حضرت عمر بن کعب برایات کے آخری الفاظ سے لگ سکتا ہے۔ (ص ۳۹)

اور جب یہ تمام انتقالات اٹھیاں جنہیں طریق سے مکمل ہو گئے تو آپ نے مال جمع کرتے سے روک دیا اور سماں تو پر اراضی بطور چائیدار رکھنا اور اپنے طور پر ہمکاشتکاری کرنا یا کرنا حرام قرار دے دیا۔ کیونکہ ان کے اور ان کے مال و عیال کے مال کا بند دبست بیت المال سے کر دیا گیا تھا۔

(جوہری طنطاوی۔ بحوارہ نظام العالم و الاحم۔ جلد دوم۔ شاہ کاری رسالت ص ۳۹۹)

اس طرح خدا کے ان احکام کی تعمیل ہو گئی کمال و دولت جمع کرنا اور زینیں پر ذاتی ملکیت رکھنا جائز نہیں۔

— (۵) —

## حسبنا کتاب اللہ

سوال یہ ہے کہ اس قدر عظیم الفداب جس کی تغیر آسمان کی آنکھ تے نہیں دیکھنی پڑی اور افراد میاڑ کی سیرت و کردار میں ایسی محیر العقول تہذیبی روزگاری کیسے ہو گئی؟ اس کا جواب حضرت عمر بن کے ان دو الفاظ میں آجاتا ہے جو انہوں نے ہبھی الکرم کی حیات ارضی کے آخری محاذات میں اس وقت ارشاد فرمائے تھے جب عام احساس یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد کیا ہو گا۔ ہمیں کہاں سے راہ نمائی میں گی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ گھبرا نے کی کوئی بات نہیں۔

حسبنا کتاب اللہ!

خدا کی کتاب بھار سے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۵)

یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی صدائے بازگشت تھی جس میں فرمایا گیا تھا کہ اُذْلَّةٌ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ الْكِتَابَ مِيقَاتٍ غَلَبَتِهِ حَدَّهُمْ... (آیہ ۴۹) میں کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جسے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

اور حضورؐ کے اس ارشاد گرامی کی تعبیر جسے آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں، ایک الکھہ بیان پڑھا کے مجھے ہیں ہمیں الفاظ اذناں فرمایا تھا کہ

وَلَدَ تَرَكَتْ فِي كِتْمٍ مَا تَضَلُّوا بَعْدَهُ إِنَّ اعْتَصَمْ بِهِ كِتابَ اللَّهِ۔

(مخاری۔ باب حجۃ الوداع)

میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم میرے بعد اس کے ساتھ متسکار ہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ (ص ۲۶)

حضرت عمر بن کعب کے ساتھ خود بھی متسک رہے اور قوم کو بھی اسی کے مطابق چلا یا۔ آپ تھیش دعا کیا کہ رئے محقق کر

یا اللہ! مجھے تفکر دتے تیر قرآن عطا فرماء۔ تاکہ میں جو کچھ قرآن سے پڑھوں اسے ایکی طرح سمجھ سکوں۔ اور اس کے نوادرات پر غور کر سکوں۔ (ص ۲۷)

اور اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے کہ  
قرآن پڑھا کرو، اسی سے تمہاری قدر و منزلت بخوبی۔ اور اسی پر عمل کرو تاکہ تم،  
حامل قرآن بن جاؤ۔ (ص ۲۷)

وہ امورِ حکمت میں اپنے مشیر دل سے مشورہ لیتے تو ان سے واضح الفاظ ہیں کہ بدیتے کہ میں نہیں چاہتا کہ تم میری بات بازو۔ آپ لوگوں کے پاس کتاب اللہ ہے جو حقیقی وصاف صاف بیان کرتا ہے۔ تم مجھے اس کے مطابق مشورہ دو۔ (صلات) وہ قرآن میں تفہیم (غور و فکر) پر بہت زور دیتے تھے چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے گورنروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ زمانہ قریب آ رہا ہے جب قرآن کے قاری تو بہت ہوں گے لیکن اس پر غور و فکر کرنے والے بہت کم ہوں گے" (ص ۲۷) وہ عمال کے اختیاب میں اس خصوصیت پر بڑا ذرا زور دیتے تھے کہ ان کی قرآن پر گہری نگاہ ہو۔ (ص ۲۸) معاملات کے فیصلہ کرنے میں وہ سند قرآن کریم کو قرار دیتے تھے سند کے اپنی رائے کو۔

آپ نے ایک دفعہ کسی معاملہ میں رائے دی تو کسی نے کہا کہ "اللہ اور عمر خم کی رائے ہے" آپ نے اسے فوراً اٹھا اور فرمایا کہ "تو نہیں یہ بہت بڑی بات کہی ہے۔ یہ صرف ہر جن کی رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اور غلط وحی اور اپنی رائے میں فرق ہے تو عمر خم کی طرف سے" اس کے بعد چھوٹی دریک شے خاموش رہے۔ اور پھر فرمایا کہ "یاد رکھو! رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اسے امت کے لئے سنت نہ بناو!" اس باب میں وہ اس قدر محتاط تھے کہ اپنی زندگی کے آخری سالیں میں، جب جسم سے اس قدر خون بہ رہا تھا اور آپ درد کی شدت سے بڑھا رہے تھے، آپ نے اپنے بیٹے (حضرت عبد اللہ بن عمر خم) سے کہا کہ "وہ بڑی للاف" جس پر میں نے دادا کے حصہ کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ اس تحریر کو مٹا دیا جائے۔ بیٹے نے کہا کہ آپ اس وقت سخت تخلیف میں ہیں۔ یہ کام آپ کی طرف سے ہم بھی کر سکتے ہیں، لیکن آپ نے سختی سے کہا کہ تم اس کی اہمیت اور سیری کو دوڑا کی کوئی سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی للاف۔ چنانچہ آپ اطمینان سے نہ بیٹے جتنا کو وہ بڑی نہ آگئی۔ اور آپ نے اپنی تحریر کر کر اپنے ماتھوں سے نہ مٹا دیا۔ احتیاط یہ بھی کہ عمر خم کی رائے بھروسی میں آنے والوں کے لئے سند نہ بن جائے۔ (ص ۲۸)

## وَصْبَّتْ

قرآن کریم کی اہمیت و عظمت آپ کے رُگ و پے میں اس شدت سے سراہیت کئے ہوئے تھی کہ

جب آپ کو وہ زخم لگا ہے جس سے آپ کی شہادت و افسوس ہو گئی تھی کیفیت یہ تھی کہ آپ کی انتہیاں کٹ کر باہر آچکی تھیں۔ جسم سے خون کے فوازے چھوٹ رہے تھے۔ درد کی شدت انتہائی پہنچ پڑی تھی۔ تقاضت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس حالت میں صلح پڑھ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ سے کہا کہ آپ اپنی وصیت فرمادیکئے تو آپ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کتابت کو حفاظہ رہنا کیونکہ جب تم اسے حفاظہ رہو گے مگر اس نہیں ہو گے۔

اسی حالت میں اکیب شخض آپ کی خیادت کے لئے آیا۔ اس نے دیکھا کہ آپ آخرت کے خیال سے منظر بد بے قرار ہیں۔ اوسار بار اس کا احساس کرتے ہیں کہ جزو مداریاں خدا نے مجھے سونپی تھیں، معلوم نہیں ہیں ان سے عوہ برا آپوں سکا ہوں یا نہیں۔ اس نے کہا کہ آپ اس میں مزید نہ ہوں جب تک کی الگ آپ کے جسم کو اس تک نہ کر سکے گی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا۔ آپ نے آنکھوں آنسو چھانک رہے تھے۔ اور کہا کہ نہیں تھا اتم اس معاشرہ میں بہت تکلیل ہے۔ یہ سے بس ہوتا لوں زین کے سارے خزانے اس مواد کے خوت پر بخواہ د کر دیتا۔ آپ نے یہ آخری الفاظ کہے تو حضرت ابی عباس ٹلنے بجو پاس بیٹھے تھے کہا کہ یہ شخص ٹھیک گھٹتا ہے۔ اس لئے کہ آپ ہمیشہ کتاب اللہ کے مطابق فصلے کرتے تھے اور سب کے حقے برابر اپنے قسم کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ کی نگاہوں میں چکے پیدا ہو گئی۔ سنبھل کر بیٹھ کتے اور کہا کہ ابی عباس! کیا تم میرے لئے خدا کے دن اس کی شہادت دو گے؟ وہ خاموش ہو گئے تو آپ نے ان کے شانے پر ٹھکھا اور دوبارہ کہا کہ کہا! ابی عباس! تم اس کی شہادت دو گے کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فصلے کیا کرتا تھا اور سب کے حقے برابر تقسیم کیا کرتا تھا۔ حضرت ابی عباس ٹلنے کہا کہ میں اس کی کوئی بھی دعویٰ نہیں کرو۔ (ص ۲۱ - ۲۲)

لیکن ان شہادات کے باوجود اپ پر اپنی ذمہ داریوں کے محاسبہ کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ روایت ہے کہ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اسے کاش! میں عمر نہ ہونے کے بجائے یہ تنکا ہوتا تو ذمہ داریوں کے بوجھ سے چھوٹ جاتا۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ یہی تعریف کرتے ہو اور جنت کی بشارت دیتے ہو اور مجھے یہ خوت ستار ہے کہ

اگر عمر نہ ہے کسی کمزور پر نکام کیا ہو گا اور اس کی خریار آسمان پر یہی تھی ہو گئی تو اس کی ساری کی ساری نیکیاں صاحبِ عرش کے حضور بے دین ہو جائیں گی۔ (ص ۲۳)

کسی کمزور پر نکام کرنے سے ساری نیکیاں را بیٹھاں چل جائیں گی! یہ مقاودہ ایمان بنے اب نہ طاہ کو فائز و قی اعظم رہا بنا دیا محتا۔

(۷)

**قالوں سازی** سابق صفحات میں ہم نے "قالوں قیمت" کو پاکینگ سیرت اور بندی کی بزار

نکس محمد در رکھا ہے، کہ اس کے بغیر نہ معاشرہ میں کوئی اصلاح ہو سکتی ہے، تھی اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ اس کے بغیر اصلاحِ احوال کی کوشش خدا کی جیلیج دینے کے متادف ہے۔ اس نے کہا ہے کہ

اَنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ بَرْهَةً مَا يَقُولُ وَرَحْمَةً يُغَيِّرُ وَأَمَّا يَأْنِسُ فَهُنَّ..... (۱۳)

تم تو ایک طرف دینے خود خدا چھی کسی قوم کے حالات میں تبدیل پیدا نہیں کر راجب تک وہ قوم خود اپنے اندر (نفسیات) تبدیل پیدا نہ کرے

لہذا، تغیرِ نفس (سیرت و کروار) کی تبدیلی کے بغیر اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کے یہ معنی ہیں کہ ہم زندگی اسے کہتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ تغیرِ نفس سے بغیر تغیرِ احوال تاحکم ہے۔ ہم ایسا کر کے دکھاییں گے کہ اس کا جو تغیر ہو گا ظاہر ہے۔ یہ وجہ ہے جو "فادقیت" را اس اختیار سے رسالت اور صدقیت میں بھی قدم اقبل، قوم کی ذہنیت میں تبدیل بھی۔ قرآن کریم نے جو اعمالِ صالحہ کو ایمان کے ساتھ مشروط رکھا ہے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ ایمان تبدیل ذہنیت کا ہے۔ اس کے بغیر اعمالِ صالحہ کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن پاکستان میں اقلیت، قانون سازی کو دیگری ہے اور اس میں بھی کیفیت یہ ہے کہ دوسرے کو سمجھا رہے ہیں، اور سر امداد نہیں۔ قانون سازی کی ہم، بخوبی میں بھنسی ہوں لکڑی کی طرح ہے، جو ایک ہی چکر کاٹ دہی ہے اور ایک قدم بھی جانب سا حل نہیں ٹھرھتی۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہم نے "قارونیت" کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

قرآن کریم نے کچھ اصول و اقدار دیئے ہیں جو ابھی اور غیر متبدل ہیں۔ اصول و اقدار، ہماری آزادی اور پابندی کے حدود و متعین کرتے ہیں۔ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے، ہر زمانے کی امت باہمی مشاورت سے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، جزوی قوانین خود وضع کرتی ہے، جنہیں احکام شرعاً کہا جاتا ہے۔ حتیٰ ان حدود اپنی جگہ حکم اور غیر متبدل رہیں گی لیکن ان کے اندر وضع کردہ جزوی قوانین ضرورت کے مطابق یہ لئے رہیں گے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا تھا کہ

بے شک خدا نے بنگ و برقرار رہتے ہیں اور زمانے کے تقاضوں سے لوگوں کے لئے نئے نئے مسائل پیدا کرتا رہتا ہے۔ (صلک ۲)

جب آپ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو حضور کے زمانہ کو گزر لئے ہوئے (بس بھی) تین چار سال کا عرصہ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ اب ملکات کا دارالرہ وسیع ہو گیا مقام اس لئے حالات میں کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ جنماں کچھ آپ کاظمی کاری ہتھا کہ جیسا کوئی ممالک سامنے آتا تو آپ سالقہ ادوار (عہد) ساتھا کے اور عہد صدیقی کو دیکھتے۔ اگر کوئی ایسا فیصلہ مل جاتا تو جو جدید تقاضوں کو بھی پورا کر دیتا تو آپ اسے نافذ کر دیتے۔ اگر اس میں کسی ترمیم و تائیریخ یا حکم و امنا فریضہ کی ضرورت ہو تو

تو ترمیم شدہ فیصلہ صادر فرمادیتے۔ اور عند الفضول رت جدید فیصلہ نافذ کر دیتے۔ لیکن یہ سب کو ہمت کے مشورہ سے ہوتا۔ اس مجلسی مشاورت میں متفاہر بخوبی کار صایپ شامل تھے، لیکن آپ نوجوانوں کی بھی حوصلہ افزائی فرماتے اور اکثر معمالات میں ان سے بھی مشورہ دیا کرتے۔ حتیٰ کہ عمر لوں سے بھی (۲۸) آپ مشاورت کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور اس میں کس حد تک آزادی رائے بخوبی رکھی جاتی تھی، اس سلسلہ میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم صرف ایک مثال پر احتفظ کریں گے جس کی تاریخ نے طریق تفصیلات اپنے دامن میں سمیٹ رکھی ہے۔ قرآن کے معنوی نظام کی رو سے زمین مملکت کی تحویل میں رہتی ہے۔ ذاتی ملکیت میں نہیں۔ لیکن یہ نظام اپنی انتہائی شکل تک تبدیل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نظام کے ابتدائی دوسریں، مختلف قطعات اراضی کو الفرادی تحویل میں قور ہئے دیا تھا لیکن مزارعات (طبائی یا کراچی پر کاشت کرنے) کو رکو قرار دے کر اسے منوع تھہر ادیا کتا۔ یہ سلسلہ مملکتی سلطح پر عہدہ فاروقی میں ذیر بحث آیا جب عراق کی وسیع و عریض زمینیں اسلامی مملکت کے قبضہ میں آئیں۔ اس پر جس گرم جوشی سے (مخالفت اور معانی) پہنچیں ہوئیں وہ تاریخ میں مذکور ہیں۔ اس باب میں صدر برائے مملکت نے اعلان کر دیا تھا کہ

میں نہیں چاہتا کہ آپ حضرات میری مرضی کا اتباع کریں اور آپ جسے حق سمجھتے ہیں، اسے میری خاطر پھوڑ دیں۔ میں آپ کی توجہ ایک بات کی طرف سبز دل کرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ خدا کی کتاب جس طرح میرے پاس ہے اسی طرح آپ کے پاس بھی ہے یہی ناطق الحق ہے۔ آپ اسے سامنے رکھ کر جواب دیں کہ اس باب میں اس کا خاصہ کیا ہے۔ اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ (ص ۲۸۵)

چنانچہ کئی دلوں کی بحث و تجھیس کے بعد، فیصلہ اس آیہ قرآن کے مطابق ہوا جسے حضرت عمر خان نے اس اصول کی تائید میں پیش کیا کہ زمین الفرادی ملکیت میں نہیں بلکہ مملکت کی تحویل میں رہنی چاہیئے ناکہ مملکت افراد معاشرہ کو رذق بہم پہنچانے کی ذمہ داری سے عذر ہو سکے۔ (ص ۲۸۶) یہ تھا قانونی سازی کے سلسلہ میں "خار و قیمت" کا طریق کار، جس میں ابتدی اور غیر متبدل حرفت قرآن کریم کے احکام و اصول رہتے ہیں۔ باقی فیصلے قابل تغیر و تبدل ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سابقہ ادوار کے کئی فیصلوں میں تبدیلی کی اور کئی نئے فیصلے صادر فرمائے۔ (انہیں اقلیات عمر رضا کہا جاتا ہے)۔

یہ ہیں اس "خار و قیمت" کی چند جملے کیں جسے اپنائے بغیر (بقول صدر مملکت) نہ مٹا کی اصلاح ہو سکتی ہے، شناون سازی کی کوئی کوشش کامیاب۔

(۰)

(حضرت عمر رضا کے احوال جو اصنوفوں کی حیثیت رکھتے ہیں)۔

**ارشادات** | ا۔ خلافت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی حساب ویتنے وقت بتایا جائے کہ کہاں سے لیا تھا اور

- کسے دیا تھا۔ اگر یہ جواب اطمینان بخش ہے تو خلاصت، ورنہ ملکیت ۔
- ۲۔ جب حاکم بگڑ جاتا ہے تو یہ ایسا بھی بگڑ جاتا ہے۔ سب سے بدجنت حاکم وہ ہے جس کے سبب رعایا بگڑ جائے۔
  - ۳۔ اگر قریب جانا چاہتے ہو کہ اللہ کے مل تھا را کیا مقام ہے تو یہ دیکھو کہ خدا کی مخلوق تھیں کیا تھیں ہے۔
  - ۴۔ کسی قوم سے مقابلہ کے وقت، یہ زد دیکھو کہ اس کی اخلاقی خرابیاں تھاں خرابیوں سے زیادہ ہیں۔ دیکھو کہ تھاں اخلاقی خوبیاں اس سے کمتری زیادہ ہیں۔ یہ ہے کامیاب کاران۔
  - ۵۔ حکومت کے منصب کے لئے ایسا شخص سبب زیادہ موزوں ہے کہ جب وہ اس منصب پر نہیں ہو تو فہر کا شمار نظر آئے اور جب اس پر فائز ہو تو ایسی میں کامیاب فرد معلوم ہو۔
  - ۶۔ ایک گورنر کو بھاگتم قم اپنی رعایا کے لئے ایسے بن جاؤ کہ اگر تم رعیت ہو تو تھا ہے کہ ہمارا ایسا ہونا چاہیے۔
  - ۷۔ ایک اور گورنر کو بھاگتم قم اپنے سند تجھ سے بنے خوف ہوا وہ بدغایاش خوف زدہ۔
  - ۸۔ عالی حکومت کے سلسلہ میں کہہ کر طاقتور خائن اور کمزور دیاستار دونوں حکومت کے لئے نقصان رسائی ہوتے ہیں۔
  - ۹۔ وہی حکومت درست رو سکتی ہے جس میں نرمی ہو بلکہ بکری وحشی دھرم سے نہیں اور سختی جو لیکن استبداد کی بتا پڑتیں۔
  - ۱۰۔ جو شرپیدا کر کے غالب آیا وہ غالب پریم خوب ہے جو ناجائز طریق سے کامیاب ہوادہ کامیاب نہیں نام ہے۔
  - ۱۱۔ جس میں تکبیر دیکھو، سمجھو کوہ وہ احساسِ کتری کا شکار ہے۔
  - ۱۲۔ اپنا حاسپہ کرو قبل اس کے کہ تھا را محسوس کیا جائے۔
  - ۱۳۔ جس حاکم کے محل کے دروازے عوام کے لئے بند ہو جائیں وہ قصر سعد نہیں، محلِ فساد ہے۔
  - ۱۴۔ کسی شخص کے اخلاق پر مجبوس نہ کرو جب تک اُسے خود کی حالت میں نہ آزماو۔
  - ۱۵۔ ایک شخص تے کہا کہ مولوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ: فضو پورا کرو اور بیوں کو کو مومن نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے زکری سے دھوکا کھانا ہے۔
  - ۱۶۔ انسان کو جو چاہئے کہ اپنے اہل و عیال میں بچوں کی طرح رہے لیکن جب ان کی کوئی خروت سامنے آجائے تو مرد بن جائے۔
  - ۱۷۔ اندوایجی زندگی میں مثالی معیار (Moral DEARLS) کام نہیں دیتا۔ اس میں پس کھٹکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔
  - ۱۸۔ جوانوں سے کہا کہ جوان کے زمانے میں ہر ایسی بات سے سچو جو تمہاری بدنامی کا باعث ہوتا کہ الگ قم بعد میں بڑے آدمی بن جاؤ تو تھا را ماضی تھا رے لئے وجد نہ امت نہ ہو۔
  - ۱۹۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کے مطابق وہ مٹھی مٹھی دینے سے ان کے اخلاق درست نہیں رہ سکتے۔
  - ۲۰۔ جس نے اپنی ملوکے لئے کسی خاندان یا برادری کا نام لے کر اوانزوی سمجھو کر وہ شیطانی کی آوان ہے۔ اسلام کے بعد خاندانوں، قبیلوں اور برادریوں کی تفریقات ختم ہو جاتی ہیں۔
  - ۲۱۔ اللہ تعالیٰ حلالات اور ننائی کے تعاضوں سے نئے سائل پیدا کرنا ہتا ہے۔ اس لئے ان کے حل کھائے ہو یہ قوافل کی ضرورت ہوتی ہے۔
  - ۲۲۔ تحریک رائے اور وحی خداوندی میں ہمیشہ فتن مخواڑ کھو۔ تحریک کی رائے ایک انسان کی رائے ہے، جو غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اسے سندادرست نہ پناہ۔
  - ۲۳۔ کسی بات کو جواب ہیں واللہ اعلم بالضرایف ملت کو جو بابت نہیں جانتے اس کو ضلال سیدھا طور پر کہو کہ میں نہیں جانتا۔